PROF. AHMAD RAFIQ AKHTAR'S LECTURES
WWW.ALAMAAT.COM

خطاب اکیڈمی ادبیات

خواتین وحضرات! بڑی مدتوں کی بات ہے کہ میں نے اپنے اندر ایک عجیب سی آرزو پائی اور وہ مجھے غیر سی لگی۔ اس کا وجود مجھے اجنبیت کا احساس دلاتا تھا۔ یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب ہا رل تعلیمی ادوار سے گزرتے ہوئے، میں یہ خیال کر رہا تھا کہ میں نے جو علم کے معاملات میں تکمیل کی آرزو کی یا میں نے جو تحقیق وجستجو کا دامن تھاما، میری مراد اس سے پوری ہو گئی، مگر بدقسمتی یہ ہوئی کہ جوں جوں میں علم وآگہی کی طرف بڑھتا رہا، مجھے زیادہ کرب، زیادہ بےچینی، زیادہ انتشار سے وابستگی رہی اور میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ علم اگر امن ہے، سکون ہے۔ اور بغیر علم انسان اگر منتشر ہے تو کیا وجہ ہے کہ دورِ حاضر کے قریب قریب ان تمام علوم کی تحصیل کے بعد جو کسی شناخت کے لیے ضروری ہوتے ہیں، میرے سینے میں یہ بےچینی اور یہ کرب موجود رہا اور میں طاقتور انسان بھی نہ تھا نہ میں ان مرشدانِ گرامی کے طرزِ فکر کی پیروی کر سکتا تھا جنہوں نے برصغیر میں اپنے تقوی، طہارت اور ریاضت کی عجیب وغریب داستانیں چھوڑی تھیں۔ ایسا لگتا تھا کہ انہوں نے اپنے سرکش نقوش، تمردوانا کو اس بیدردی سے کچلا جو کم از کم میرے لیے ممکن نہ تھا۔ میں اس آرزو کو بڑی عجیب سی نظروں سے دیکھتا رہا جو ایک نوجوان کی حیثیت سے میرے سینے میں پیدا ہو گئی تھی اور یہ آرزو یہ تھی کہ کیا اس جستجو کے آگے بھی کوئی منزلِ فکر ہے جہاں انسان کو سکون وثبات نصیب ہو سکتا ہے۔ میں بھی لوگوں کی طرح اس زمانے کا شکار تھا جس میں کم از کم پانچ سکولز آف تھاٹ ایسے پیدا ہو گئے تھے جو تمام کے تمام تشکیک وشبہات کو جا رہے تھے۔ اور کم از کم میرا پرانا Dogmatic Faith ان کی ضرب نہیں سہار سکتا تھا۔ میں بڑی کوششوں کے بعد یہ سمجھ رہا تھا کہ جو مذہب میرے پاس ہے جو خیال میرے پاس ہے اور جو ترتیب ذہن وقلب میں مذہبی طور پہ لے کر آیا ہوں، وہ اس انکوائری کا سامنا نہیں کر سکتی اور اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ میری مذہبی انڈرسٹینڈنگ میں وہ Instruments ہی نہیں تھے، وہ آلات ہی نہیں تھے، وہ ذہنی کاریگری ہی نہیں تھی جو اس ذہن کا جواب دے سکے جو یورپ اُس وقت ہم پر اعتراض کرتا رہا تھا۔ ان میں Logical Postivist تھے۔ ان میں جدلیاتی مارکسزم تھی، ان میں ایسے ایسے لوگ تھے جیسے انتھروپالوجسٹ بھی جب بیان دینے لگتا تو خدا کے خلاف ہی دے جاتا اور یہ تشکیک کا ایسا صحرا تھا کہ جس میں یقین کی شبنم کے ایک دو قطرے بھی نصیب نہیں ہوتے تھے۔ اس بحران میں دو چیزیں ایسی ہیں جو میں نے از خود سوچیں۔ ایک تو جب میں اپنے معاشرے، پس منظر، زندگی اور ماحول پہ نگاہ ڈالتا تھا تو مجھے ان اعتراضات میں صداقت نظر آتی تھی اور اپنے لوگوں میں بہت سارا جھوٹ نظر آتا تھا۔ میں نے دیکھا کہ خاندان میں فیملیز میں ہماری معاشرت میں سوائے منافقت، جھوٹ کے اور کچھ

نہیں اور میں یہ دری ایکشن کے طور پہ نہیں کر رہا۔ میں سوچ رہا تھا کہ میرا باپ کتنا سچ بولتا ہے۔ بدقسمتی سے ایک ایسا معیار تنقید مجھ میں پیدا ہو گیا تھا کہ جس کے تحت میں یہ سوچنے کی کوشش کر رہا تھا کہ قول و فعل نہیں بلکہ قول و فکر کے تضادات کتنے پائے جاتے ہیں۔ جب میں اپنی فیملی سے آگے بڑھ کر دوسرے لوگوں، معاشرے، ادیبوں اور ان Highest Values کے علمبرادار لوگوں کو دیکھتا تو مجھ پہ ایک عجیب سا انکشاف ہوتا کہ ہر آدمی کسی گہری آگ کی خندق میں ہے۔اور ہر آدمی بظاہر کتنا بھی نجیب الطرفین ہو۔ دراصل سینے میں منافقت کی اتھاہ گہرائیاں لیے بیٹھا تھا۔ یہ تنقید نہیں تھی بلکہ یہ دکھ اور درد تھا جس سے میرا مذہبی تشخص مجروح ہو رہا تھا۔ میں اسلام اور مسلمان کو سمجھ رہا تھا۔ مومن کو سمجھنے کی کبھی نوبت نہیں آئی تھی۔ میں تو Simple جدلیات کا عرفان حاصل کر رہا تھا اور میرے نزدیک لا الہ الا اللہ کا مطلب ہی یہی بنتا تھا کہ وہ بے شمار خدا اور بت جو لا اللہ تک پہنچنے میں حائل ہیں میں ان کو سمجھوں۔ جب میں ان کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا تو مجھے یہ شدت سے احساس ہوا کہ میرے اردگرد کوئی اس قسم کا کوئی ایک شخص بھی نہیں پایا جاتا کہ جس سے جا کے میں یہ کہ سکوں کہ اے بندہ خدا مجھے عرفان ذات خداوند کا پاک لمحہ چاہیے، لہٰذا تو نوازش کر اور میرے دل پہ نگاہ کرم فرما۔ مجھے کوئی ایسی نظر مل جائے جو میری کائنات بدل دے۔ ایسا کبھی بھی نہیں ہوا، وہ تمام رومانوی افسانے جو میں نے اپنے اولیائے اللہ تعالیٰ العزیز کے بارے میں پڑھے تھے نہ صرف یہاں بلکہ مغرب میں کہیں سینٹ فرانسیس آف اسیسی بولتا ہوا نظر آتا ہے اور کہیں کسی صوفی کی تعریف غلط ہو رہی ہے۔ اور کہیں کوئی جو واقعہ کوٹ کر رہا ہے، وہ غلط ہے۔ کوئی کہہ رہا ہے کہ غزالی حدیث غلط کوٹ کرتا ہے۔ یہ سارے واقعات مل جل کر مجھے ایک پرابلم دے رہے تھے کہ

Is God there? Is it true. Somewhere a high scepticism in my heart was convincing me.

صرف ایک مسئلہ میرے آڑے تھا اور وہ مسئلہ یہ تھا کہ کسی بھی اپوزیشن کے ساتھ انصاف کیے بغیر اسے Reject کر دینا بہت بڑی حماقت ہوتی ہے۔ اگر آپ خدا کو چاہتے ہو تو جیسے ابھی تھوڑی سی گفتگو ہوئی تو ایک صاحب نے بڑی معقول بات کی کہ میں نے پہلے استدعا کی تھی کہ میں تعریف و توصیف سننے کے لیے نہیں آتا یا میں محض ایسی تنقید بھی نہیں سننے آ رہا جس میں کوئی وزن نہ ہو۔ مجھے ان لوگوں سے علم سیکھنا ہے جو مجھ پہ سوال کریں گے۔ اور اگر ان کا دل چاہا اور میری بات میں انہیں کچھ وزن نظر آیا تو ہم اور ان لوگوں کے درمیان یہ تحصیل علم کا ایک دروازہ ہے۔ میں ان سے سیکھوں اور وہ مجھ سے سیکھیں گے۔ اس لیے میں نے سوال و جواب کی شرط عائد کی تھی کہ اگر ایسا کوئی مرحلہ ہے تو میں ضرور جاؤں گا۔

خواتین و حضرات! مجھے جو سب سے بڑا مسئلہ درپیش آیا وہ یہ تھا کہ میں آزاد ہوں یا غلام ہوں۔ مجھے یورپ کی فکر جو تشکیک، حریت اور شخصی آزادی عطا کر رہی تھی اس کا مقابلہ بھلا پندرھویں صدی کا تھاٹ پراسس کیسے کر سکتا ہے۔ اللہ کا وہ تصور جو کبھی Judaism یا کبھی کرسچین فلاسفی میں ابھرتا تھا وہ تمام فلاسفیز نہ صرف ناقص ہیں بلکہ جا بجا انسانی Guilt کے مظاہرات کی Compensation ہے۔ اس کے علاوہ مذہب میں کچھ نہیں رہا تھا۔ اور میں اپنے لیے اسلام میں بالکل Interested نہیں تھا۔ اسلام مطلوب نظر ہی نہیں تھا۔ مگر اللہ میری طلب ضرور تھا۔ جب بھی میرے دل میں

اللہ کی طلب اٹھی تو میں نے اسے غریب الدیار پایا کیونکہ میرا وجود اور میری خواہش اس کی نفی کرتی تھی۔ ایک زور آور اور متمرد نفس جو تھا حاوی تھا اور وہ یہ چاہتا تھا۔ کہ اس قسم کا کوئی کمزور عقیدہ جس کے لیے عصر حاضر میں کوئی دلیل مرتب نہ ہو سکے۔ بغیر سوچے سمجھے ہرگز قبول نہیں کرنا چاہیے۔

And then i decided to make, at least, one effort.

میری کوشش صرف اتنی تھی کہ خدا کو Reject کرنے سے پہلے خدا پر ایک مکمل ریسرچ کی جائے۔ اس سے پہلے کہ میں رسم و رواج کی ہوا میں اڑتے ہوئے زرد پتوں کی طرح ان تشکیک کے خیالات کی پیروی کروں۔ میرے دل نے چاہا کہ میں خدا کو ایک موقع دوں۔ میں اب تک خدا سے ایک موقع لے رہا ہوں مگر اس وقت میں نے یہ چاہا تھا کہ میں خدا کو ایک موقع دوں۔ میں اس غریب کو جو اپنی ہی کائنات میں غربت نصیب ہے اس کو جاننے سوچنے، پہچاننے اور سمجھنے کا ایک موقع تو دوں۔ وہ مجھ سے یہ توقع رکھتا ہے کہ میں بحیثیت انسان اسے عقل کی روشنی میں تلاش کروں۔ اور انسان خود کہتا ہے کہ میں بھی ڈیڑھ دو ارب سال سے دوسرے جانوروں کی طرح بستا رہا ہوں۔ کہاں Primates والا انسان جو ایک لمبوتری سی Skull لیے ہوئے درختوں پر اچھلتا پھرتا تھا اور اس کے پاس ہوش و حواس کا ایک لمحہ نہیں تھا۔ اور کہاں یہ انسان جو Sky-scraper پہ بیٹھا ہوا خود خدائی کے دعوے کر رہا ہے۔ اب بہت فرق پڑ گیا ہے۔ ڈیڑھ دو ارب سال میں تو انسان کو کچھ نہ ہوا مگر دس بارہ ہزار سال کے بعد ایک دم سے انسان نے بدلنا شروع کیا اور ہم شعور کی رمق کو پتھر کی طرح بار بار Ruin ہوتے دیکھتے ہیں۔ آبادیاں مٹتی دیکھتے ہیں۔ پہلے مردوں پہ پھول چڑھائے جاتے ہیں۔ یعنی پہلی رسم ہی عبادت کی رسم ہے۔ مجھے اس چیز نے بڑا حیران کیا کہ جنگل سے نکلے ہوئے کسی انسان کو اگر پہلے ہی کسی چیز کا خیال آیا تو موت کا خیال آیا۔ پہلے ہی اگر کسی چیز کا خیال آیا تو قبر کا خیال آیا۔ پہلے ہی کسی چیز کا خیال آیا تو دعائیہ کلمات کا خیال ہے۔ پھول چڑھانے کا خیال آیا۔ اگر آپ عراق میں سے دریافت ہونے والی ایک قدیم بچے کی نعش کو دیکھیں تو آپ کو حیرت ہو گی کہ نئی تہذیب کو بڑھتا ہوا یہ انسان دعائیہ کلمات سے اپنا سفر شروع کر رہا ہے، عبادات سے شروع کر رہا ہے۔ ایسے لگتا ہے کہ اچانک اسے کوئی رہبر نصیب ہو گیا ہے۔ مگر عصر حاضر تک پہنچتے پہنچتے یہ رہبری کہاں کھو گئی۔ اگر کوئی انسان دو بنیادی سوال نہیں سوچتا تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ حق شعور ادا نہیں کرتا ہے۔ یہ ہم سب کو اپنے آپ سے پوچھنا ہے کہ ہم آزاد ہیں یا غلام ہیں۔ اگر خدا نہیں ہے تو ہم آزاد ہیں۔ میں ایک جبلی اقدار کا انسان ہوں۔ میں اپنی عقل کو شہوات دنیا کے لیے، شہوات ذات کے لیے استعمال کروں گا۔ میں اپنے عروج کے لیے دوسروں کو استعمال کروں گا۔ میں مقاصد ذات کے لیے اس دنیا کو مسخر کروں گا اور اگر خدا ہے تو میں ایسا نہیں کر سکتا۔ میں ایسا اس لیے نہیں کر سکتا کہ پھر میں کسی ذات گرامی، کسی سسٹم یا کسی بزرگ و برتر ذات کو جواب دہ ہوں جس سے میری جان قبر تک نہیں چھوٹ سکتی۔ اور قبر کے بعد بھی مجھ پر اس کا احتساب لاگو ہے۔ میں آپ کو ایک بات بتا دوں کہ میں عذاب قبر سے کبھی نہیں ڈرا میں فرشتوں سے کبھی نہیں ڈرا۔ جنات میرے لیے Meaningless ہیں۔ میں نے ان سے کبھی خوف نہیں کھایا اس لیے کہ وہ میرے لیے فضول سی مخلوق ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اس دنیا کی تمام کی تمام مخلوقات اور آسیب ایک ذات کی وجہ سے مشخص ہیں۔ اگر وہ ذات نہیں ہے۔ اگر اللہ نہیں ہے تو ملائکہ کا ہے کے، قبر کا ہے کی، عذاب قبر کا ہے کا۔ دیکھو کفار مکہ کیا خوبصورت دلیل دیتے ہیں کہ بھلا جب ہم

قبروں میں جائیں گے۔ ہماری ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی۔ پھر بھی ہمیں اٹھایا جائے گا۔ تو عقل اور فراست یہی کہتی ہے کہ اگر کوئی اللہ نہیں ہے تو پھر بھی ہمیں اٹھایا جائے گا۔ اگر زندگی کی یہ تمام جدوجہد اور اس کا تمام سفر قبر تک اسی طرح ہے تو یہ یقینی بات ہے کہ ہم بلا خوف وخطر خدا کے بغیر اپنا سفر شروع بھی کر سکتے ہیں اور اسے انجام تک بھی لا سکتے ہیں۔ مگر ادا سی کی بات یہ ہے کہ God is in between my liberties. میری آزادی اور میرے شعور کی گرفت میں اور میری اپنی مرضی کی زندگی گزارنے کے درمیان اگر کوئی ذات حائل ہے تو وہ اللہ کی ذات ہے۔ اس سے چھٹکارا حاصل کیے بغیر میری کوئی نجات نہیں ہے۔ یا میں اسے تسلیم کروں یا میں اسے رد کر دوں۔ مگر تسلیم کرنے کا جو انداز ہم میں موجود ہے وہ انتہائی ناقص ہے۔ وہ رکیوں جائیے جس کو ہم تسلیم کر رہے ہیں۔ وہ اہل کفر کو ایک طعنہ دیتا ہے کہ اگر تم صاحب شعور ہوتے، اگر تم غور وفکر والے ہوتے تو تم کبھی اپنے آباؤاجداد کے دین پہ قائم نہ رہتے۔ تم یقیناً مجھے مان لیتے۔

حضرات گرامی! مجھ کو اور آپ کو بھی یہی کام ملا۔ اگر ہم عقل وشعور استعمال کیے بغیر آباؤاجداد کی میراث میں سے خدا کا تصور لیے بیٹھیں گے تو ہم اہل کفر سے بھی بدتر ہیں۔ اس لیے کہ ہم بھی غور وخوض کے بغیر کسی دلیل اور فکر کے بغیر ایک ایسے خدا کا تصور پالے ہوئے ہیں جو ڈرائنگ روم ڈیکوریشن کا باعث ہو سکتا ہے مگر اس کا حقیقی تصور کبھی ہمارے سینوں میں نہیں آ سکتا۔ کون سا خدا ہے جسے جب چاہا جھوٹ کے لیے قسم کے لیے استعمال کر لیا۔ یہ کون سا خدا ہے جو فراڈ اور دجل وفریب کے وقت کبھی ہمارے آڑے نہیں آتا۔ یہ کون سا خدا ہے کہ گناہ کی ہر کشمکش میں مفرور ہو جاتا ہے اور جب ہم اپنی مرضی پوری کر لیتے ہیں تو پھر وہ دوبارہ ہمارے سامنے آ جاتا ہے اور ہم عذر پیش کرنا شروع کر دیتے ہیں اور پھر ہم دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ ہم اللہ کو ماننے والے ہیں۔ یہ اس Faith کا نتیجہ ہے جسے ہم Blindly لیتے ہیں۔ کیا اللہ Blind faith کو تسلیم کرتا ہے۔ قطعاً نہیں! "ان شر الدوآب عنداللہ الصم البکم الذین لایعقلون" (الانفال: ۸-۲۲) ذرا غور کیجیے گا یعنی میرے نزدیک بدترین جانور وہ ہیں جو میری آیات پہ اندھوں اور بہروں کی طرح گرتے ہیں اور جنہیں شعور حاصل نہیں ہے۔ یعنی انسان کو انسان نہیں کہا جو عقل وشعور استعمال نہیں کرتا وہ میرے نزدیک جانوروں سے زیادہ بدتر ہے۔ "ان شر الدوآب عنداللہ الصم البکم الذین لایعقلون" (الانفال: ۸-۲۲) کہ جانوروں میں سے بدترین جانور وہ ہے جسے ہم انسان کہتے ہیں جو عقل وشعور کی نعمت رکھتے ہوئے بھی میرے بارے میں غور وفکر نہیں کرتا اور اندھا دھند ایک میراث لیے اٹھتا ہے اور میراث لیے ہوئے قبر میں جا سوتا ہے۔

خواتین وحضرات! اب سوال یہ ہے کہ! بہت سارے لوگ یہ کہتے ہیں کہ خدا کے لیے کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ کون سا ایسا عصر ہے جس میں اللہ کے لیے دلیل موجود نہ ہو۔ کیا خدا کے لیے میں نے دلیل مہیا کرنی ہے۔ میرا تو ڈیٹا ہی اتنا نہیں ہے مگر مجھے یہ تو دیکھنا پڑے گا کہ جو اللہ ہر زمانے میں موجود ہے جو دعویٰ موجودگی کرتا ہے۔ کیا اس نے ہر زمانے کے عرفان وادراک کے مطابق اپنے لیے کوئی ایسی مضبوط دلیل رکھی ہے جو رد نہیں ہو سکتی۔ کیا آج کے زمانے میں انسانی عقل اپنی سرمستی میں ڈوبی ہوئی ہے۔ یہ وہ سانپ کا زہر ہے جو انسان خود چاٹے جا رہا ہے۔، کیا آج کی عقل یہ دعویٰ نہیں کرتی کہ خدا کے لیے کوئی Positive Argument آج کے زمانے میں موجود نہیں ہے۔ کیا لوگ یہ نہیں کہتے کہ رحمٰن و رحیم وکریم وجلیل یہ سارے پیاز کے چھلکے ہیں۔ جب چھلکا تارے جائیں تو وہ خالی رہ جائے۔ There is no doubt.

یہ تو آپ ہی کی Perception ہے۔ کیا وہ آج یہ نہیں کہتے کہ زمانہ اوّل میں جب انسان نے اپنے آپ کو قتل و غارت کرتے ہوئے دیکھا تو وہ ایک دوسرے کا قانون نہیں مان سکتے تھے۔ جب وہ ایک دوسرے کا قانون نہیں مان سکتے تھے تو انہوں نے سوچا کوئی ایسی غیر مرئی خوف کی طاقت پیدا کریں جس کے ڈر سے قبائل تھمے رہیں اور وہ جو سرسبز لہلہاتی ہوئی فصلوں میں کوئی سادہ دل دیہاتی نکلتا تھا تو اس کی سرسراہٹ کی آواز آسیب کی طرح لگتی تھی تو پتا نہیں کتنے اس نے دیوتا سرسراہٹ کے بنا ڈالے جس کو آپ پینتھی ازم بھی کہہ لیتے ہیں۔ اتنے سارے تصورات کے ہوتے ہوئے اور اتنی ساری Developments جو انسان نے جہالت سے علم کو آتے ہوئے کی ہیں اس میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ انسان کے پاس خدا کو نہ ماننے کے لیے کوئی نہ کوئی عذر موجود رہا ہے۔ مگر خواتین و حضرات! خدا کی طرف سے بھی ہر زمانے میں کوئی ایسی دلیل موجود ہونی چاہیے تھی جو معجزہ یا خارق عادت ہے اور خارق عادت کا وجود کسی کم علم معاشرے میں دلیل کے طور پر ہی ہوتا ہے اور وہ دلیل یہ ہوتی ہے کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ خدا کے وجود پہ ہمیں یقین دلانے کے لیے ضروری ہے کہ اس سے پہلے کوئی ایسا کام کر کے دکھاؤ جو ہمارے نزدیک Impossible ہو اور اگر کسی پیغمبر کی ایک پھونک پانی کے گلاس کو دودھ کے گلاس میں بدل دے تو ظاہر ہے کہ اہل کفر کے لیے یہ امر محال ہے لیکن اگر یہ امر محال ممکن ہو سکتا ہے تو خدا بھی ممکن ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ہر معاشرے میں عقلی بلوغت اور Level کے مطابق انبیاء علیہ السلام اپنے دلائل لاتے رہے، جیسے حضرت ابراہیمؑ۔ جن کے زمانے میں تمام عقل والے عقل ابراہیمؑ سے لیتے ہیں۔ میں نے یہ بات آپ سے کہی ہے۔ اس لیے کہ ان حضرت نے عقل و شعور کی بنیادی Instruments کا استعمال انسان کو سکھایا۔ انہوں نے منطق بھی دیا۔ انہوں نے Inductive Logic بھی استعمال کی۔ Deductive Logic بھی استعمال کی۔ جب ستارہ چڑھا، ابراہیمؑ نے کہا یہ میرا خدا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے! بہت سارے علماء اس جملے پر کہیں گے۔ ابراہیمؑ کا مطلب یہ نہیں تھا مگر

Moving from general to particular and moving from particular to general.

جب ستارہ نکلا تو ابراہیمؑ نے کہا یہ میرا خدا ہے۔ یعنی ایک ایک چیز کو خدا مان کر پھر اس کی صفات کا احاطہ کرنا شروع کیا مگر جب دیکھا کہ یہ تو زوال پذیر ہے اس کی روشنی تو مدھم ہو جاتی ہے، یہ تو کہیں کھو جاتا ہے۔ کہیں نمودار ہوتا ہے، اس میں تو وہ پائیداری نہیں جو میں خدا کے تصور سے وابستہ کر سکتا ہوں۔ کہا "لا احب الافلین" (الانعام ۶-۷۸:) میں ڈوبنے والوں کو خدا نہیں سمجھتا۔ چاند چڑھا تو کہا، یہ تو بڑا روشن ہے۔ یہ تو بڑا منور ہے، یہ بڑا خوبصورت ہے۔ یہ ضرور خدا ہوگا۔ پھر وہی پراسس دہرایا، پھر سورج، شمس بازغہ کا طلوع ہوا تو کہا یہ تو واقعی جہانوں کا پالنے والا ہے یہ تو فصلیں پکاتا ہے۔ زندگی کو اجاگر کرتا ہے۔ ہمیں نور دیتا ہے مگر جب ایک چھوٹا سا بادل آ کے پورے سورج کی کارکردگی کو تباہ کر دے تو اس نے کہا یہ کیسے خدا ہو سکتا ہے۔ مگر جب خود دلیل نمرود کو دی تو بڑی عجیب و غریب دی۔ دیکھیے ذرا ملاحظہ فرمائیے کہ جب پیغمبر دلیل دے رہا ہے تو وہ ناقابل شکست ہے۔ جو دلیل اسے معاشرے سے مل رہی ہے وہ قابل شکست ہے۔ "ربی الذی یحیی و یمیت قال انا احیی و امیت" (البقرۃ ۲-۲۵۸) اس نے کہا ٹھیک ہے دربار تک تو تیرا حکم چلتا ہے ایک شخص کو تو نے پھانسی سے ہٹا لیا۔ ایک معصوم کو تو نے قتل کروا دیا۔ تو خدا ایسے ہی بنتا ہے مگر خدا اتنا لوکل تو

نہیں ہوتا کہ ایک دربار تک قید ہو۔ اگر تو واقعی خدا ہے تو "قال ابراهیم فان الله یاتی بالشمس من المشرق فأت بها من المغرب" (البقرۃ:۲-۲۵۸) "میرا رب مشرق سے سورج طلوع کرتا ہے تو مغرب سے طلوع کردے۔" نا قابل شکست دلیل .There was no way نمرود ایسا کر ہی نہیں سکتا تھا۔ کیا آج کے زمانے تک پہنچتے ہوئے کیا قرآنی Dialectics ختم ہو گئی ہیں، کیا خدا کریم نے یہ "لیهلک من هلک عن بینة" (الانفال۸-۴۲) جو ہلاک ہوا وہ دلیل سے ہلاک ہوا" و یحییٰ من حی عن بینة (الانفال:۸-۲) "جو زندہ ہوا وہ دلیل سے زندہ ہوا" " ان الله لسمیع علیم" (الانفال:۸-۴۲) سننے اور جاننے والا پروردگار یہ کہتا ہے کہ جو ہلاک ہوا وہ دلیل سے ہلاک ہوا، جو زندہ ہوا وہ دلیل سے زندہ ہوا۔ اب ذرا آپ اپنی زندگیوں پر غور کر کے دیکھیں کہ آپ زندہ ہیں یا ہلاک ہیں۔ غور ہی نہیں کیا تو نہ زندگی ہے نہ ہلاکت ہے۔ آپ دیکھیں کتنا عجیب سا منظر ہے کہ جب پچھلے دنوں ایک یورپی سکول کے کچھ بچوں نے بڑے عجیب و غریب سوال کیے۔ ماں باپ کو کوئی جواب نہیں پتا تھا، بحیثیت فرد۔ چلو جی ادنیٰ سا ایک سپیشلسٹ بیٹھا ہے، اس کے پاس لے جائیں کیونکہ وہ سوال نہ صرف بچوں کو کنفیوز کر رہے ہیں بلکہ ماں باپ کو بھی کنفیوز کر رہے ہیں۔ کیوں آپ کو ان کے جواب نہیں آتے؟ آپ نے تو کبھی زندگی بھر غور ہی نہیں کیا۔ آپ نے تو کبھی وجود خداوند کی قربت اور ہمسائیگی کے لیے کبھی تردد نہیں فرمایا تو وہ کیسے آپ کے قریب آئے؟ اس کا تو اصول ہی بڑا سادہ اور خوبصورت ہے۔ کیا آپ سوچتے ہو؟ کس چیز سے مجھے محبت ہے۔ ہر چیز میں خوبصورتی کی طلب اور حسن کی فراوانی ڈھونڈنے والا صرف اس لیے خدا تک پہنچ گیا کہ خدا سب سے حسین ہے۔ آپ اپنی عقل کو اپنی اس پرکھ سے پہچانتے ہیں جو آپ نے اسے دی۔ آپ کی عقل بھی بالکل آسمانوں کی طرح سات پردوں میں قید ہے، تہہ بہ تہہ، درجہ بہ درجہ، مگر تمام کی تمام Intellect کا مرکز سٹیٹس بنا ہوا ہے، آپ کی تمام ذہنی صلاحیتیں Status کو جا رہی ہیں۔ آگے بڑھو پیسہ ہے۔ ساری ذہنی صلاحیتیں مال و اسباب کو جا رہی ہیں، ذرا اور آگے بڑھو تو سیاست ہے، وجاہت ہے، ہر چیز لکھی ہوئی ہے۔ علم کے صرف تین مقاصد ہیں۔ ایک علم وہ ہے، جسے ہم Facility of life کہتے ہیں وہ علم جو Friction of society کو کم کرتا ہے، وہ علم جو آپ کو سہولت بخشتا ہے تاکہ آپ اتنے بڑے کمپلیکٹ اور لامحالہ اتنی بڑی سوسائٹی میں ایک دوسرے کے انٹرسٹ قائم رکھیں جیسے آپ Traffic Laws میں دیکھتے ہیں۔

All these laws are made to lessen the friction of movement in society.

اس طرح علم سے جو کچھ بھی آپ سیکھ رہے ہیں، اس کا مطمح نظر ووکیشنل ہے، وہ علم جس سے روزگار ہے، وہ علم جس سے زندگی ہے، وہ علم جس سے نان نفقہ آپ کا چلتا ہے۔ علم کا ایک دوسرا مقصد علم برائے علم بھی ہوتا ہے۔ یہ ایک علیحدہ امیج! وہ لوگ جن کو تفاخر تھا سوفیسٹ کے سکول سے لے کر افلاطون، ارسطو، آگسٹین، ایکوناس، Saint Dynesius یہ لوگ عالمانہ شان سے گزرے، کیا ہم ان کی قدر اس لیے نہیں کرتے کہ وہ صاحب علم تھے، وہ دنیا کے اس کاروبار حیات کو اس تخلیقات کے پیٹرن کو اور آگے بڑھا گئے مگر جب علم کے پس منظر میں مابعد الطبیعات کا انکشاف نہ لکھا جائے گا، جب نفسیات سے بالائے نفسیات کی قدر نہ پہچانی جائے گی۔

That is one of the reason some where back in time wrote Psychology

if applied to others is a science if applied to one's ownself is Mysticism

اگر نفسیات کا مقصد خدا کی شناخت ہوتا تو آج نفسیات کے سارے ڈیپارٹمنٹ خدا شناسوں سے بھرے ہوتے مگر ایسا نہیں ہے نفسیات جس کو آپ روح النفس کہتے ہیں۔

Basiclly it is one of the most helpful knowledge in understanding of your basic instinct, and in understanding your basic self.

مگر یہ علوم اپنے مطمع نظر میں خدا کی شناخت نہیں رکھتے ان کا مقصد آپ کو خدا تک پہچانا نہیں ہوتا بلکہ Basic Self کو Better Self میں Convert کرنا ہوتا ہے۔تمام تر علوم نفسیات کا مقصد Basic Self سے Better Self کو جانا ہےاور اس کا مقصد ایک نارمل انسان کو، ایک ناکارہ انسان کو ایک ایسے انسان کو جو ایک سوشل یونٹ میں بے قاعدگی کا شکار ہو گیا ہے، اسے دوبارہ اسی زندگی کی توقع میں لانا اور اسی زندگی کے رنگ میں اسے پھینک دینا ہے۔اس کا قطعاً مقصد خدا کی شناخت نہیں ہوتا۔مگر ذرا اللہ کو دیکھیے وہ آپ سے کون سی سائیکالوجی طلب کرتا ہے، وہ تو یہ کہ رہا ہے "واما من خاف مقام ربه ونهى النفس عن الهوى"(النازعات: آیت ۴۰) کہ "اگر تم مجھے جاننا چاہتے ہو، مجھے پہچاننا چاہتے ہو تو پھر تمہیں اپنے نفس کی غرض وغائیت کو قطعاً ترک کرنا ہوگا کہ نفس کسی بھی حال میں میرا دوست نہیں ہے"سوال یہ ہے کہ کیوں نہیں ہے، آخر نفس ہی کو تو خدا نے پکار کر کہا "یایها النفس المطمئنةO ارجعی الی ربک راضیة مرضیة"(الفجر: ۲۷-۲۸) کہ "اے نفس مطمئن میں تجھ سے راضی تو مجھ سے راضی"میں، یہ رب کعبہ کی قسم کھا کے کہتا ہوں کہ خداوند کریم سب سے پہلا معلم ہے۔پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے بڑے معلم ہیں، یہ سلسلہ تعلیم کا ہے، اس میں کوئی جبر نہیں تھا۔ذرا دیکھیے تو کتنا بڑا استاد ہے، خدا خود اذیت پسند نہیں آپ لوگوں کے انکار سے اپنے آپ کو خوشی دیتا ہے۔لگتا تو ایسا ہی ہے

The God has power to change power, to demolish power, to destroy power, to construct power, to reconstruct power.

(Omnipotent-Omnipresent) ادھر دیکھو کہ پانچ ارب انسان اس کو درخور اعتنا ہی نہیں سمجھتے۔روٹی وہ دے رہا ہے کہتا ہے نہیں، پانی وہ دے رہا ہے کہتا ہے نہیں، بیوی بچے وہ دے رہا ہے، کہتا ہے نہیں، یعنی انسان اتنے تمرد میں ہے کہ اس کی ہر خوبی کا انکار کیے جاتا ہے، جس کو دیکھو خدا کا گلہ۔جس کو دیکھو وقت کا گلہ، جس کو دیکھو زمانے کی شکایت۔لیکن اقبال کسی ترنگ میں کہہ گیا ہے کہ "نہ گلہ ہے دوستوں سے نہ شکایت زمانہ" ہر انسان کی زبان پر وقت کا، زمانے کا گلہ ہے مگر یہ بھی دیکھیے یہ جاتا کہاں ہے۔ذرا سی شکایت اٹھی تعویذ ہو گئے، ذرا سا گلہ اٹھا سحر ہو گیا، ذرا سی بات ہوئی کسی نے جادو کر دیا اور خدا کیا کہتا ہے، کیا آپ مصائب میں اپنے بنیادی عقیدے اور بنیادی عقل وشعور کو بھی ترک کر دیتے ہو، کیا خدا اپنی پاورز Share کرتا ہے۔جس نے پیغمبروں سے کوئی پاور شیئر نہیں کی۔وہ ان گلی کوچے میں بیٹھے ہوئے نااہل جادوگروں کو اپنی پاور بانٹتا پھرتا ہوگا۔تعویز دھاگے والوں کو پاور بانٹتا ہوگا کہ تم جا کے میری خلق پہ آسیب کرو۔ وہ کرو۔یہ جاڑو، یہ کرو۔خدا ایسا نہیں ہے۔خدا نے بڑی خوبصورت بات کی، اتنی خوبصورت آیت ہے کہ لگتا ہے لفظ ہی

زبان سے نہیں جاتے "وان یمسسک اللہ بضر فلا کلاشف لہ الا ھو وان یمسسک بخیر فھو علی
کل شیءٍ قدیر O (الانعام:۶-۱۷) یہ بات سن لو کہ" جسے اللہ ضرر سے چھو لے تو کائنات میں ایسی طاقت نہیں ہے جو یہ
گرہ کھول سکے" (آیت)" اور جسے وہ خیر سے چھو لے تو اس کی بات ہی کچھ اور ہے۔ وہ ہے ہی قدرت والا" اس کا اعلان
سنو اور ذرا اس جاہل کا ایمان دیکھو جو اپنی ہر بلا کو، ہر مصیبت کو خدا کے بجائے کسی زمینی خدا کے حوالے کر دیتا ہے۔ حضور
گرامی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع والے دن فرمایا کہ" شیطان آج کے بعد اپنی عبادت سے مایوس
ہو چکا ہے" اب وہ لات، عزا اور ہبل، پتھر کی صورت میں نہیں پوجا جا سکتا، اب وہ ہمارے لیے آسیب کی صورت ہے۔
اب وہ Abstract زمانہ ہے۔ کیونکہ اب زمانہ ہی Abstract Art کا ہے، اب تمام خدا Abstract ہو گئے ہیں، اب
ہمارے تصور سے نئے نئے آسیب اور نئے نئے خدا گھڑ لیے۔ اتنا تنوع Greeks کی مائتھالوجی میں نہیں ہے جتنا آج
کل چل رہا ہے۔ اس حوالے سے جس گلی، محلے اور بازار میں جاؤ تو شرمندگی ہوتی ہے۔ جب میں لوگوں کے یہ اعتقادات
دیکھتا ہوں کہ خداوند کریم کے یہ بندے خدا کے سوا ہر چیز کو خداوند کریم سمجھتے ہیں۔ بڑی مدت کی بات ہے جو میں آپ سے
کہہ رہا تھا کہ میں اس دلیل کی تلاش میں اس سفر پہ نکلا کہ اے پروردگار تیرے پاس دورِ حاضر میں اپنے لیے بھی کوئی دلیل
ہے میں نے ابھی آغاز میں ایک چھوٹی سی دعا پڑھی ہے

"رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک
سلطانا نصیرا O" (الاسراء آیت ۸۰)

کہ" اے پروردگار مجھے اپنے پاس سے ایسی دلیل غالب عطا فرما جس پر مشرق و مغرب کے مفکروں، ادیبوں،
مفسروں اور دانشوروں کی دلیل غالب نہ آسکے۔ اتفاق سے جب میں نے قرآن دیکھا تو پہلی آیت سے ہی I was
shocked میں نے

خواتین و حضرات! میں نے ایک طویل مدت کے بعد قرآن کھولا

Basically I was trained in objecting.

کیونکہ میں ایک Explanation Subjective کے لیے سرگرداں تھا۔ میری بنیاد ان فلاسفرز اور ریاضی
دانوں پر تھی جو کسی کو بخشتے ہی نہیں ہیں، جو کیچڑ کے چھینٹے بھی اڑیں تو فارمولا دے دیتے ہیں۔ وہ کہاں اس طرف آتے کہ
خدا کو بے دلیل کیسے مانیں۔ خدا کے لیے ثبوت کہاں سے لاؤ گے، کونسا ایسا ثبوت ہے جو تم خدا کے لیے لاؤ گے تو خواتین و
حضرات جب میں نے قرآن حکیم کھولا تو مجھ پر خوف کا لرزہ طاری ہو گیا۔ میں سمجھا کہ ابھی خدا کی دلیل کی عمارت منہدم ہو
گی، لکھا ہوا تھا "الم o ذلک الکتاب لاریب فیہ" (البقرۃ:۱-۲) میں نے کہا سبحان اللہ میں اسے کیا سمجھوں، یہ تو وہ
خدا ہے جو اتنا Intoxicated ہے۔ Truth کے ساتھ وہ اپنی سچائی میں اتنا ڈوبا ہوا ہے کہ پہلے قدم پر ہی مجھ جیسے متشکک
اور فلسفی کو (پتا نہیں، میں اس وقت کیا کیا بنتا تھا) اس نے کہا، برخوردار آؤ تو سہی، پہنچو تو ہماری بارگاہ میں، یہ میری کتاب
ہے یہ میرا کلام ہے تم کہتے ہو نا کہ اللہ کا کوئی ڈیٹا نہیں۔ یہ میرا ڈیٹا ہے۔ یہ میرے لفظ ہیں۔ لوگ کہتے ہیں خدا کا ڈیٹا نہیں
ہے اور قرآن کہتا ہے کہ میں خدا کا ڈیٹا ہوں۔ ساڑھے تین سو صفحے کی کتاب جس کا ایک ایک لفظ اللہ کا ہے، حیرت کی بات

ایک ایک لفظ۔ وہ اللہ جو کسی حد و حساب میں نہیں، جو Infinity میں نہیں، جو Beyond Infinity بھی نہیں۔ وہ اس کائنات میں نہ اُس کائنات میں "دل کے آئینے میں ہے تصویر یار" کوئی ایسا اس نے کار زار سا رکھا ہوا ہے کہ خفیہ خفیہ آئے، خفیہ خفیہ گئے۔ میں آپ کو بتاؤں کہ کسی صوفی کی Interpretation اور صاحب علم کی Interpretation میں کیا فرق ہوتا ہے سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں کہ جب ملکہ سبا کو خط گیا تو ملکہ سبا نے لوگوں کو اکٹھا کیا اور کہا دیکھتے ہو یہ کیسے طریقے سے خط آیا ہے، یہ کوئی بڑا زبردست بادشاہ ہے۔ مجھے بتاؤ کہ میں اس کا کیا کروں تو سب نے کہا اے ملکہ عالیہ ہم نے تیرے کہنے پہ بڑی جنگیں لڑی ہیں، ہم نے تنہا کچھ نہیں کیا۔ ہم نے کچھ اکھاڑ پچھاڑ نہیں کی، ہم شمشیر زن ہیں، بہادر ہیں، جرنیل ہیں۔ آپ حکم کریں ہم اس بادشاہ سے بھی ٹکرا جائیں گے۔ اس نے کہا نہیں۔ میں اتنی نادان نہیں ہوں جو بادشاہ میری خواب گاہ میں میرے تکیے کے تلے خط چھوڑ سکتا ہے وہ اتنا کمزور نہیں ہے کہ تم جیسے لوگوں سے شکست کھا جائے اور تمہیں پتا ہے کہ بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کے امراء اور رؤسا کو ذلیل و رسوا کر دیتے ہیں اور بستی کو اجاڑ کے ویران کر دیتے ہیں۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ جب تمہارے دل میں اللہ آئیگا تو تمہارے، آگے بڑے بڑے رئیس بیٹھے ہوئے ہیں، بڑے بڑے امراء بیٹھے ہوئے ہیں، بڑے بڑے سرکش اور متمرد انائیں بیٹھی ہیں، بڑی بڑی خاندانی وجاہتیں بیٹھی ہیں، اندر بڑی بڑی سرکاریں ہیں، تو خدا جب تمہارے دل میں جائے گا تو ان تمام آثار قدیمہ کو ملیا میٹ کر دے گا۔ جب تمہارا دل خالی ہوگا تو پھر آرام سے آ کے خود بیٹھ جائے گا۔ یہ فرق ہے، Mysticism اور ارتکاز کے تمام علوم میں۔

خواتین و حضرات! غور سے سنیئے گا آپ نے تبت کے لاماؤں کے کرشمے تو سنے ہوں گے۔ اور Hindu Yogi کتنے حیران کن حرکات کے مالک ہوتے ہیں۔ ہمارے اردگرد بہت پر اسرار مناظر ہیں۔ بعض اوقات واقعات مختلف نتائج دیتے ہیں۔ ایک دفعہ مجھے سفر میں ایک امریکن ملا تو میں نے اس سے کہا کہ تم بڑے اداس اور غمزدہ ہو۔

And you have been failing with your wife.

اس نے بریک لگائی اور کہنے لگا Man, how do you know? میں نے کہا یار میں جس مسلک کا بندہ ہوں وہاں چھوٹی موٹی فراست تو مل ہی جاتی ہے، تو اس نے مجھے کہا کہ اس نے تین سال تک تمبل میں یوگا کیا ہے اور صرف اس ایک چیز یعنی اندر کی نگاہ کو پانے کے لیے ان کی خصوصی مشقیں کی ہیں لیکن میں تو حیران ہوں کہ مجھے کچھ بھی نہیں ملا تمہیں کہاں سے مل گیا؟ میں نے کہا، میں نے کوئی ابنارمل طریقہ استعمال نہیں کیا، میں نے صرف اخلاص کے معمولی سے ذرے کو جو ابتدائے حیات میں میرے نصیب میں تھا، اس کو تھوڑا سا Use کیا ہے اسی کے توسط سے خدا کو Exploit کرتا رہا۔ اللہ میاں تو خوب جانتا ہے کہ میں تھوڑا سا تو اس کے ساتھ Sincere ہوں نا۔ مجھے زیب نہیں دیتا کہ متاع فقیر ضائع کروں۔ تجھے زیب نہیں دیتا کہ میری اس طلب کی توہین ہو۔ میں تیرے لیے تیری توجہ کا طالب ہوں اور میں ضرور تجھے مطلوب بنا کے چھوڑوں گا۔ خدا نے کبھی کسی طلب کو ضائع نہیں کیا۔ خدا نے کسی کے ذرۂ اخلاص کی توہین نہیں کی۔ ذرا خدا کا کرم دیکھو، اللہ کیا بات کرتا ہے، ذرا غور کرو کہ جس نے دل سے ایک مرتبہ لا الہ الا اللہ کہہ دیا۔ اللہ اس پہ دوزخ حرام کر دے گا۔

خواتین وحضرات! کیوں حرام کر دی، میتھڈسٹ بے چارہ اس بات پر بڑا لڑے گا۔ میتھڈسٹ کو برا لگتا ہے۔ یہ کیا ہم ساری عمر نمازیں پڑھیں، ہم ساری عمر تقوٰی میں رہیں، روزے رکھ رکھ کے ہمارے بدن کی جھلیاں جھڑ جائیں اور یہ کیا کہ یہ مفت خورے جنت لے جائیں۔ تو خواتین وحضرات! اس کی دو وجوہات ہیں، جیسے پطرس بخاری نے کہا تھا کہ بھونکتے کتے کاٹا تو نہیں کرتے لیکن ان کا کیا پتا کہ کب بھونکنا بند کر دیں اور کاٹنا شروع کر دیں۔ تو خواتین وحضرات! Transition کے کسی مرحلے میں آپ کسی شخص کو گناہ گار نہیں کہہ سکتے۔ میرا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کہہ رہا ہے سکرات سے ایک لمحہ پیشتر بھی توبہ قبول ہو سکتی ہے۔ پھر کوئی مائی کا لال مجھے کیوں جنت سے محروم کرے گا۔ جب تک میں خود اپنے آپ کو محروم نہ کروں۔ مجھے اپنا باطن دیکھنا ہے کہ کیا نفاق کے علاوہ کہیں اپنے رب کریم کے لیے، کہیں ایک ذرہ اخلاص موجود ہے کہ نہیں ہے۔ جب پہلی دفعہ یہ حدیث اتری۔ حضرت ابوہریرہؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ نے اسے نقل کیا۔ کنوئیں میں منڈیر پہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پاؤں لٹکائے بیٹھے تھے اور فرمایا جس نے دل سے ایک مرتبہ لا الہ الا اللہ کہہ دیا اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دی گئی۔ تو ابوہریرہؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، ابوسعید خدریؓ نے فرمایا چاہے اس نے زنا کیا ہو، چاہے اس نے گناہ ہی کر لیا ہو فرمایا چاہے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا ہو، چاہے اس نے چوری کی ہو۔ انسانوں کے لیے خوشخبری تھی۔ بقول امام جعفر صادقؒ کہ توبہ آسان ہے ترک گناہ مشکل ہے۔ بقول ان کے یہ ذرا مشکل کام ہے اور توبہ کرتے تھے روز توبہ ٹوٹتی تھی روز ایک مایوسی سے گزرتے تھے۔ سید علی ابن عثمان ہجویری سے کسی نے پوچھا کہ اے مرشد گرامی فرمایئے کہ کیا کسی ولی اللہ سے بھی گناہ ہو سکتا ہے۔ فرمایا ہاں گناہ کبیرہ بھی ہو سکتا ہے اور ستر مرتبہ بھی ہو سکتا ہے، ستر مرتبہ آپ کو پتا ہے، عرب کثرت کے معنوں میں لیتے تھے مگر عذر گناہ بدتر از گناہ۔ مگر خواتین وحضرات! تاسف تو اصلی ہونا چاہیے نا، چند دن پہلے مجھ سے جہلم میں کسی نے پوچھا تھا کہ توبہ کا کیا مقام ہے؟ میں نے کہا میں تو وہی باتیں جانتا ہوں کہ اولین Institution جو تخلیق ہوا، وہ توبہ کا تھا۔ حضرت انسان نے سب سے پہلی چیز جو Commit کی وہ خطا ہے اور سب سے پہلا کرم جو اللہ نے کیا وہ توبہ کا قبول کرنا ہے۔ میں نے پہلی مرتبہ قرآن پاک کی آیات دیکھیں۔ "الم ذالک الکتاب لاریب فیہ "(البقرۃ: ۱-۲) تو مجھے یہ احساس ہوا کہ خدا کہہ رہا ہے اے بندۂ خدا اندھا دھند، Blindly نہیں۔ اگر تیرے ذہن میں کوئی تجسس ہے کوئی فکر ہے، کوئی شک ہے تو یہ میری کتاب ہے۔ اس میں سے اپنا شک نکال لے۔ اس میں شک نکال لے اپنا پھر اگر تو اس کتاب کو بلا شک وشبہ پڑھ تو پھر تجھے میرے تصور میں عذر نہیں ہوگا۔ اور خواتین وحضرات! بہت طویل بات ممکن نہیں دو چار باتیں آپ سے کہنا چاہتا ہوں۔ آپ دیکھیے گا پندرہ سو برس پہلے بظاہر جو آپ کو اوراق نظر آتے ہیں، خدا کی سچائی کی بہت لمبی داستان ہے اور خدا نے خود کہا کہ سارے درخت قلم ہو جائیں، سارے سمندر سیاہی ہو جائیں تو بھی صفات عالیہ پروردگار کو بیان نہیں کر سکتے۔ صرف دو باتیں ذرا غور کیجیے گا، اس عقل وفراست کو دعوت دیجیے گا۔ جو Relativity اور کوانٹم پر تحقیق کرتے رہے ان کو دعوت دیجیے گا۔ جو کاسمالوجی کے آخری حروف پڑھ رہے ہیں اور پڑھا رہے ہیں۔ ان کو دعوت دیجیے گا۔ کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ دو آیات میں۔ ایک میں اللہ تعالیٰ حیاتیات کا اصول دے رہا ہے اور ایک کاسمیاتی اصول دے رہا ہے۔ کہہ رہا ہے "اولم یر الذین کفروا" (الانبیاء: آیت ۳۰) تم کیسے میرا انکار کر سکتے ہو تو دیکھیے ذرا، تم کیسے میرا انکار کر سکتے ہو۔ "ان السموات والارض کانتا رتقا

ففتقنہما" (الانبیاء: آیت ۳۰) تمہیں تو پتا ہی نہیں ہے یہ سب زمین و آسمان پہلے اکٹھے تھے۔ پھر ہم نے انہیں کاغذ کی طرح پھاڑ کے جدا کر دیا۔ عربی میں پھاڑنا اس کو کہتے ہیں۔ کاغذ کو جب بے ڈھنگے طریقے سے پھاڑتے ہیں تو جگہ جگہ سے گیپ پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ زمین و آسمان پہلے ایسے تھے۔

In the beginning all the universe was one mass then I tore them a part.

اور اسی آیت میں ہے "وجعلنا من الماء کل شیءٍ حیی" (الانبیاء: آیت ۳۰) اور میں نے تمام حیات کو پانی سے پیدا کیا۔ آپ کو انکار کرنا ہے تو آغاز تو کیجیے نا۔ اگر نماز نہیں پڑھتے تو کوئی زبردستی نہیں ہے۔ اللہ کو مانیں گے تو نماز پڑھیں گے، روزے رکھیں گے۔ اللہ کو مانیں گے تو اس کی بات مانیں گے نا، جب اللہ کو تو نے مانا ہی نہیں تو کیسے یہ سارا کام کریں گے۔ مگر یہ تو کوئی ایسے حقائق نہیں ہیں، یہ تو وہ باتیں نہیں ہیں۔ ذرا غور تو کرو کہ "وتری الجبال تحسبھا جامدۃ وھی تمر مرالسحاب" (النساء: آیت ۱۲۸) تم گمان کرتے ہو کہ پہاڑ کھڑے ہیں۔ یہ پہاڑ کھڑے تو نہیں ہیں۔ یہ تو سرمئی بادلوں کی طرح اڑتے ہوئے زمین پہ تیر رہے ہیں۔ اس کے لیے آپ کو خلا میں جانا پڑے گا۔ تبھی آپ کو پہاڑ اڑتے ہوئے نظر آئیں گے ذرا ملاحظہ فرمائیے کہ خداوند کریم کیا فرماتے ہیں۔ ان پہاڑوں کے بہت سارے مقاصد ہیں۔ یہ میں نے میخوں کی طرح زمین میں گاڑ دیئے ہیں تاکہ زمین ڈول نہ جائے۔ آپ ذرا تھوڑا سا غور کیجیے میخوں کی طرح گاڑنے سے مراد یہ ہے کہ میخ کا تھوڑا سا حصہ اوپر اور بڑا حصہ نیچے ہو تب زمین میں ٹھونکی جا سکتی ہے۔ آپ زمین کے اندر اس جگہ کو دیکھیے جس میں پہاڑ کھڑے ہوتے ہیں۔ 3.5 ڈینسٹی ہے اس میٹریل کی جو زمین کے نیچے سمندر کی طرح تیر رہا ہے اور زمین کے اوپر جو پہاڑ کھڑے ہیں، ان کی 2.3 اور 2.7 Density ہے۔ یعنی اس میخ کی کتنی مضبوط Base ہے۔ زمین کے اندر گڑی ہوئی ہے اور جب پہاڑوں میں Friction ہوتی ہے۔ جب یہ تیرتے ہوئے براعظم آپس میں ٹکراتے ہیں تو جو گرد و غبار بنتا ہے، اس سے پہاڑ بنتے ہیں۔ پتا نہیں کہ یہ کتنے بنے ہوں گے۔ مگر خدا یہ کہتا ہے کہ اس نے زمین کے اندر انہیں گاڑ رکھا ہے۔ پندرہ سو برس پہلے بھلا کونسا نظریہ ہوگا۔ ہمیں تو پہاڑ زمین کے اوپر ہی نظر آتے ہیں۔ ایک نحیف سا Faith اس بات کا گمان نہیں رکھتا۔ خواتین و حضرات! ایک ایک صفحے پہ اور خالی یہ سائنسز نہیں۔ ذرا ملاحظہ فرمائیے آپ کے لیے اختلاف کی گنجائش کہاں چھوڑتا ہے۔ کہتا ہے میں نے انسان کو بڑی جبلتیں دیں، بڑی خصلتیں دیں۔ مگر تمام جانداروں کو ایک جبلت دی ہے۔ "واحضرت الانفس الشح" (النساء: آیت ۱۲۸) ہم نے تمام جانوں کو بخل جان پہ جمع کیا۔ ہم نے تمام زندگی کو سب سے پہلے جو چیز دی ہے وہ Survival ہے۔ یہ Instinct ہم نے رکھی ہے۔ آپ کو پتا ہے شہید کیوں بڑا ہے۔ شہید اس لیے بڑا ہے کہ وہ اس Basic Instinct پہ فتح پا لیتا ہے۔ وہ Instinct of Survival پر فتح لیتا ہے (آیت) اور کوئی شخص شہداء پہ غلبہ نہیں پا سکتا۔ اس لیے کے اس رب کریم نے یہ Instinct! "عالم الغیب والشھادۃ" (الحشر: آیت) کہ عالم الغیب میں یہ Instinct رکھی ہے۔ سوائے اس شخص کے۔ "واللہ شکور حلیمO عالم الغیب والشھادۃ العزیز الحکیم O" جو اللہ کا شکر کرنے والا ہے۔ اور حلیم الطبع ہے۔ وہ کبھی بخیل نہیں ہوگا۔ کبھی Survival کے نیچے نہیں آئے گا۔ یہ خدا کی صفات عالیہ ہیں۔ اللہ نے چھوٹی سی بات سمجھائی کہ میاں جب انسان ایک دوسرے کو قتل کر رہا تھا، مار رہا تھا، بگاڑ رہا تھا۔ اپنے سوسائٹی کے تناسب سے

جب زمانہ ختم ہو رہا تھا تو ہم نے ایک پیغمبر کو یہ کہہ کر بھجوایا۔ "**ولکم فی القصاص حیوٰۃ یاولی الباب، لعلکم تتقون** ○" (البقرۃ: آیت ۱۷۹) اہل عقل غور کرو تو ہم نے قصاص میں زندگی رکھی ہے۔ اگر تم ایک آدمی کے بدلے ایک قبیلہ اڑا دو گے۔ اگر ایک شخص کے بدلے ایک خاندان مار دو گے تو تم زندہ نہیں رہ سکو گے۔ تم ختم ہو جاؤ گے اور جب نسل انسان اس قتل وغارت پہ اتنی آمادہ ہوگئی کہ آبادیاں کم ہو گئیں اور بڑی بستیاں ویران ہو گئیں دیار اجڑ گئے اور چھتیں اوندھی ہو گئیں تو اللہ تعالیٰ نے ایک پیغمبر کو یہ قانون دے کر بھیجا اور اُس کے زمانے میں یہ قانون کتبوں پہ لکھا گیا۔ حضورؐ نے تو یہ کتبے نہیں دیکھے۔ اس زمانے میں تو کتبے دریافت ہی نہیں ہوئے تھے۔ ذرا قرآن اٹھا کے دیکھ لیجیے۔ "**الحر بالحر والعبد بالعبد والانثیٰ بالانثیٰ**" (البقرۃ: آیت ۱۷۸) "آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت" "**ان النفس بالنفس والعین بالعین والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن**" (المائدہ: آیت ۴۵) "بے شک جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت" یعنی وہ قوانین جو قرآن نے آج سے پندرہ سو برس پہلے دیے جب آثار قدیمہ نکلے تو وہی قوانین جگہ جگہ کتبات میں ملے، ایسے لگتا ہے آپ کہیں گے کہ قرآن نے اس کو کاپی کیا ہے۔ ایک ایک لفظ وہی ہے جو اُن کتبات میں ہے اور دور کیوں جائیے، ملاحظہ فرمائیے ابھی کل کی بات ہے۔ آپ نے سورہ سبا پڑھی ہوگی۔

ہد ہد ین خوشخبر از ملک سبا می آید

حضرت سلیمان کے لیے جب ہد ہد خوشخبری لے کر آیا تو سلیمانؑ نے کہا تو نے کیا دیکھا ہے۔ تجھے زندہ جلا دوں گا بد بخت تو بڑی دیر کر کے آیا ہے۔ انس بڑا تھا ہد ہد سے۔ تو ہد ہد نے کہا حضرت بڑی خبر لایا ہوں۔ میں نے ایک قوم کو دیکھا ہے جو سورج کی پرستش کرتی ہے۔ حضرات گرامی! قرآن آپ کے پاس موجود ہے کہ ہد ہد نے پہلا Sentence شاہ سلیمان سے یہ کہا کہ اے بادشاہ زمانہ میں نے ایک عجیب وغریب قوم کو دیکھا ہے جو سورج کی پرستش کرتی ہے۔ ابھی دو چار ہفتے پہلے سبائل کی آثار قدیمہ نکلی ہیں اور حیرت کی بات ہے جو پہلا ستون نکلا وہ سورج کی پرستش ہے۔ خواتین و حضرات! اگر آپ بڑے سائنٹفک ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ یہ تو کریڈٹ دیں گے کہ وہ اتنے بڑے آرکیالوجسٹ نہیں تھے، Historian نہیں تھے، وہ کوئی عجیب وغریب آلات نہیں رکھتے تھے کہ کاسمالوجی ماپتے پھرتے اور ان کو پہلے سے بگ بینگ کا پتا ہو میں آپ کو ایک بڑی ضروری بات بتاتا چلوں کہ لوگ کہتے ہیں کہ سائنس ہر بات پہلے دریافت کرتی ہے اور بعد میں مذہب اس کو اپناتا ہے۔ سائنسدانوں کو اس بات کا زعم ہے اور وہ اسلام کو طعنے دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ لوگ کھینچ تان کے سائنس کی باتیں اختیار کر لیتے ہیں۔ خواتین حضرات! قیامت ابھی آئی تو نہیں ابھی قیامت کا کوئی طریقہ کار طے تو نہیں ہوا لیکن اللہ کیا کہتا ہے۔ "**اذا الشمس کورت** ○" (التکویر: آیت ۱) وہ وقت جب سورج لپیٹ لیا جائے گا "**واذا النجوم انکدرت** ○" (التکویر: آیت ۱) اور جب ستارے بجھ جائیں گے۔ پھر دوسری جگہ فرمایا کہ وہ وقت جب کشش ثقل کے سارے دھاگے ٹوٹ جائیں گے اور چاند اور سورج باہم آپس میں مل جائیں گے۔ اب ذرا غور کرو کہ یہ ابتدائے حیات کی خبر دیتا ہے کہ ادھر کہتا ہے (**اذا الشمس کورت** ○ **اذا النجوم انکدرت** ○) آپ کا کیا خیال ہے۔ ان Intellectual لوگوں کا خیال ہے کہ اللہ بیچ میں ہمارے زمانے کے ذہین

لوگوں کے اذہان نہیں پڑھ سکتا ہوگا۔ ابتدا کی خبر دے رہا ہے، انتہا کی خبر دے رہا ہے۔ ابھی تو قرآن کی بات تشنۂ تکمیل ہے۔ ذرا ملاحظہ فرمایئے قرآن تو بڑے دور کی بات ہے، ابھی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث پوری نہیں ہوئی۔ سائنسدانوں سے مخاطب ہو کر فرمایا ذرا غور کیجیے گا آپ بڑے جدید لوگ ہیں۔ آپ سمجھ سکتے ہیں۔ پہلے اس بات کو کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ مجھے پروردگار کی قسم ہے کہ اس وقت تک زمانہ آخر نہ ہوگا جب تک انسان درندوں سے کلام نہ کر لے۔ یہ کمزور حدیث نہیں ہے۔ صحیحین کی حدیث ہے۔ قسم ہے مجھے رب کریم کی زمانہ ختم نہ ہوگا جب تک انسان درندوں سے کلام نہ کرے گا جب تک انسان کے جوتے کا تسمہ اس کے حال کی خبر نہ دے گا۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا وہ تو جینیٹکس ہی ہے نا۔ ایک Decoding of Animal language ہے۔ مجھے تیری ابھی سمجھ نہیں آئی۔ خداوند کریم یہ کہتا ہے کہ اے حضرت انسان تو نے ابھی کچھ اور آگے جانا ہے اور میں نے "الله الذی خلق سبع سموٰت و من الارض مثلهن" (الطلاق: آیت ۱۲) میں کوئی ایک جہان بنا کے تھک نہیں گیا ہوں۔ ہم بڑے Narcissist لوگ ہیں۔ حضرت انسان سے زیادہ میں نے Narcissist نہیں دیکھا۔ ہم مجموعی طور پر Narcissist ہیں۔ اتنی چھوٹی سی زمین ہے اور بات سے بات نکل آتی ہے۔ اللہ کی باتیں ختم نہیں ہوتیں۔ پہلے حضورؐ گرامی مرتبت کی حدیث اور پھر جدید سائنسدانوں کا ایک محاورہ سناتا ہوں اللہ کے رسولؐ نے فرمایا ہماری زمین اس کائنات میں ایسے ہے جیسے ساری دنیا جنگل میں پڑا ہوا ایک حلقہ، ایک چھوٹا سا ایک چھلا اور چھوٹی سی ایک مرلی، یعنی اتنی ہے کہ اگر ساری دنیا جنگل ہو جائے تو آپ کی زمین اس جنگل میں پڑے ہوئے ایک حلقے کی طرح ہے۔ اور سائنسدان کہتا ہے کہ اگر پوری کائنات اور ساری دنیا کے ریگزار جمع کر لیے جائیں تو ہماری زمین بھی ایک ذرے کی طرح ہے۔

یہ دونوں ذرائع اپنے اپنے زمانے میں بالکل ایک ہی مفہوم دیتے ہیں۔ Hugeness اور Smallness کی ایک ہی Ability سامنے آتی ہے۔ ان کو بھلا کون کہے۔ آپ کو پتا ہے، پیغمبر ہر زمانے میں ٹاپ Intellectual ہوتا ہے، کیونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد پیغمبر ہی کوئی نہیں ہے وہ زمانہ آخر تک Intellectual ہیں۔ اول و آخران کی ذہانت سے کسی انسان نے بھی قدم آگے نہیں رکھا۔ میں آپ کو یہ سادہ سی بات بتا رہا ہوں کہ جب میں نے اپنے وجود میں خدا کو تلاش کرنے کی ایک اجنبی خواہش دیکھی تو میں نے اپنے آپ کو مغلوب پایا کیونکہ اس ذرہ اخلاص میں بڑی قوت تھی۔ پھر وہ وقت آیا جب مجھے میرا وجود ہی غیر لگا اور پھر میں نے جدوجہد کی میں متقی بننے کی کوشش کر رہا تھا اور نہ ہی پارسا۔ آپ کو پتا ہے کہ تقویٰ کتنا سخت ہے اور یہ لوگ تو مقدس ہوتے جاتے ہیں۔ یہ فقراء یہ پیر اور مساکین دس دس لبادوں میں نوعروس کی طرح قدم رکھتے جاتے ہیں۔ ایسے لگتا ہے ان غریبوں کا ایک ایک پاؤں عرش معلیٰ پہ پڑا ہوا ہے۔ ان کے انداز جو ہیں۔ "ومكروا ومكر الله والله خير الماكرين" (آل عمران: آیت ۵۴) خدا کے نام پر ان لوگوں نے یہ مکروفریب پھیلا رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس سے آزاد اور محفوظ رکھے۔ خواتین وحضرات! مجھے کیا حق پہنچتا ہے کہ میں آپ کو عذاب کی خبر دوں۔ بھئی پیغمبر کو تو پہنچتا ہے۔ پیغمبر کو تو اس لیے پہنچتا ہے کہ اللہ نے پیغمبر کی نجات کنفرم کی ہے۔ پیغمبر اللہ کا دوست ہے۔ پہلے پیغمبر کو بخشتا ہے پھر اس امت میں سے کچھ لوگ بخشے گا۔ میں آپ کو عذاب کی کیسے خبر دوں گا۔ مجھے تو اپنی بخشش کا پتا نہیں ہے اور میں آپ کو خبر سنا دوں اور میری ہوا جہنم میں نکل رہی ہو۔ یہ تو ناممکن ہے۔

ہمارا کوئی حق نہیں بنتا کہ ہم قرآن کے سوا لوگوں کو عذاب کی خبریں دیں۔ مگر قرآن بھی آپ پڑھ کے دیکھ لیجیے۔ سارا عذاب کافر کے لیے ہے۔ جو اللہ سے انکار کرتا ہے۔ اس کے لیے ہے۔ میں کہتا ہوں کہ کسی کو کیا پتا ہے کہ جو شخص بے نماز ہے۔ وہ نماز پڑھنا شروع کردے اور نماز پڑھنے والا بے نمازی ہو جائے۔

How can you pass a judgement in transition period

وہ کون عاقل و بالغ ہوگا جو آپ کے لیے سفر سے بہت پہلے منزل کا تعین کردے گا جب تک آپ پہنچیں گے نہیں There are hundred sips between the cup and lip.۔

آپ کس یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ آپ بخشے ہوئے ہیں میں کیسے کہہ سکتا ہوں کہ میں بخشا ہوا ہوں۔ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اور بات ہے۔ وہ بہت لاڈلے تھے۔ ایک بہت بڑے استاد کی کلاس تھی سارے اچھے پڑھے لکھے تھے۔ ماشاء اللہ تعالیٰ اتنی بدتہذیب کلاس کسی استاد کو نہیں ملی۔ گلے میں پھندے ڈالے، پتھر مارے، کانٹے بچھائے، کیا استاد تھے۔ ہم جیسے استادوں کو شرم آنی چاہیے۔ اس نے کسی کو کوسا نہ کسی کو گالی دی نہ سرزنش فرمائی، نہ کوئی چھڑی ہاتھ میں تھی۔ اس شخص کے لیے اتنی محبت تھی۔ محبت فاتح عالم تھی۔ کیا اللہ کے رسول کی محرومیاں تھیں۔ حضرات گرامی! اگر بچپن میں ایک انگلی خراب ہو جائے تو Inferiority قبر تک جاتی ہے۔ کیا اس شخص کا رُتبہ ہے، کیا ذہن ہے۔ اُس کو کون کم تر برین (Brain) کہہ سکتا ہے۔ کون اس کو لوکل برین (Local Brain) کہہ سکتا ہے۔ کہ کبھی باپ دیکھا اور نہ ہی ماں کی مامتا نصیب ہوئی۔ جس پہ تکیہ کیا وہی شاخ چھن گئی۔ اتنی محرومیوں اور غربت کے بعد، اس شخص نے لوگوں کو کیا دیا محبت، محبت، محبت فاتح عالم۔ یہ وہ استاد تھے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے اس اُجڈ، گنوار، نا اہل کلاس کو اصحاب رسولؐ میں بدل دیا۔ رضی اللہ عنہ ورضو عنہ۔ یہ وہ لوگ ہیں جن سے اللہ راضی ہوا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ سے راضی ہوئے۔ کبھی کبھی لوگ، (برسبیل تذکرہ کہہ رہا ہوں) کہ کبھی کبھی لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بڑی مدحت فرماتے ہیں..... بڑی تعریفیں ہوتی ہیں۔ میں نے جب سے خیبر کی حدیث پڑھی ہے تو مجھے لوگ مشکوک لگ رہے ہیں۔ مجھے لوگ اس لیے مشکوک لگتے ہیں کہ شائد Intellectualy یا Mentally وہ اس حیثیت کو نہیں جانتے جو کسی لفظ کی ہوتی ہے۔ حضور گرامی مرتبتؐ نے خیبر کے آخری دن فرمایا ''کہ آج میں علَم اس کو دوں گا جس کو اللہ اور اس کے رسولؐ سے بڑی محبت ہے، اور جس سے اللہ اور رسولؐ کو بڑی محبت ہے۔ اس کے بعد میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سے بالا کوئی عزت کوئی مقام جناب علی کرم اللہ وجہہ کا ہوسکتا ہے کہ جس سے اللہ اور رسولؐ کو بڑی محبت ہو ماشاء اللہ قوت الا باللہ۔ خدا کے لیے بندگان عالی اور حضرات گرامی تھوڑا سا غور تو کرو کہ ہم نے عمریں گنوا دی ہیں۔ ہم نے خدا کو کبھی وقت نہیں دیا، ہم نے اللہ سے کبھی آرزو نہیں کی، ہم نے اسے کتاب دین سے باہر رکھا ہوا ہے۔ اللہ باہر ہے اور ہم تمام تر آسیبوں کو جمع کر کے اس کی پرستش کر رہے ہیں۔ اب زمانہ زیادہ باقی نہیں رہا، سچی بات آپ کو بتاؤں بہت کم وقت ہے کہ آنے والے وقتوں میں خوشخبریاں بھی ہیں، آنے والے وقتوں میں تباہی، ہلاکت و بربادی بھی ہے مگر صرف ایک چیز کام آئے گی، صرف ایک چیز کسی نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''زمانہ اتنی آفت میں جائے گا اور ہر چیز تباہ ہو جائے گی، رزق ناپید ہو جائے گا تو لوگ کس چیز پر گزارہ کریں گے۔ فرمایا: ''تسبیح خداوندی پر۔''

سوالات و جوابات

انسان کے اختیار کی حدود

سوال: کیا خدا انسان کے معاملات میں بلاواسطہ دخل دیتا ہے اور انسان اپنے اعمال کے حوالے سے کس حد تک آزاد ہے؟

جواب: Main question یہ نہیں ہے۔ Main question تو یہی بنتا ہے کہ

If God is there, Where is he?

کیونکہ جہاں تک ہمارے اکاؤنٹس ہیں جو ہمیں خدا کی طرف سے ملے ہیں، جو اس کے اپنے لوگوں کے توسط سے ملے ہیں تو خدا ہر چیز اور ہر مسئلے میں مداخلت کرتا ہے بلکہ Creater ہے۔ اُن تمام Conflicts کا متصادم Situations کا، ان تمام خیالات کی Situation کا تمام زندگی Generelly اتنا بڑا Protocol ہے کہ وہ کہتا ہے کہ نہ صرف یہ کہ تمہارے معاملات زندگی میں مداخلت کرتا ہوں بلکہ یہ کہتا ہے "ونفس وما سواھاO فالھمھا فجورھا و تقوھا" (الشمس: آیت ۷-۸) نہ صرف یہ ہے کہ میں تمہارے نفس پہ الہام کرتا ہوں بلکہ فسق و فجور اور تقویٰ اور خیر کے خیالات میں بھی الہام کرتا ہوں، ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔ "وما تشآؤن الا ان یشاء اللّٰہ" (التکویر: آیت ۲۹) "تم چاہ بھی نہیں سکتے اگر میں نہ چاہوں" لہٰذا جو اللہ اس درجہ مداخلت کرتا ہو، آپ اس کو کیسے Irrelevant قرار دے سکتے ہیں۔

It is very difficult to say, کہ There is a very very thin line.

تو وہ ہم سے کیا مقصد چاہتا ہے اور ہم اپنے تئیں اس کے کیا مقاصد پورے کر رہے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر رزق، زندگی اور کیرئیر کے معاملات میں ہم یہ کہیں کہ ان میں انسان خود مختار ہے اور کسی حد تک اپنے معاملات خود سنوارتا ہے تو Both ends پہ یہ تھیسس غلط ہو جاتا ہے۔ ایک انسان کے بچے یا جانور کے بچے میں آپ فرق یہ دیکھیں گے کہ جانور کا بچہ پیدا ہوتے ہی اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جاتا ہے اور بمشکل ایک دو دن کے وقفے سے اس کو ان تحفظات کی ضرورت نہیں رہتی جو انسان کے بچے کو ہے۔ اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ یہ حکایت ہستی جو ابتدا سے پانچ سات سال تک انسان اس قابل نہیں ہوتا کہ وہ Independent Existence کے قابل ہو۔ پھر جب وہ بڑا ہوتا ہے، اور اس کی Education میں نارمل Routine of Life کو شامل کریں اور اس کے زندگی کے کردار کی تنظیم، اس کے زندگی کے کردار کا تعین کرنا، اس کے Present کے حصول، اس کے Present کے جب اثرات ہم دیکھتے ہیں تو بعض اوقات یہ بیس سال، بائیس سال تک جاتے ہیں۔ جوں جوں زمانہ آگے بڑھ رہا ہے، یہ خیال کہ انسان کس حال اور حالات میں خود مختار ہے۔ یہ تھیسس بڑا غلط ہو جاتا ہے۔ جب ہم بڑھاپے کو بڑھتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ وہی بچپن والی کیفیت پھر پیدا ہو گئی ہے کہ ہمیں کسی نہ کسی کی ضرورت پڑنا شروع ہو جاتی ہے اور بڑھاپا جو Independently اپنا وقت گزار نہیں سکتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں Ends چھوڑ کر درمیان کے کچھ عرصے میں انسان کا دماغ یہ خیال کرتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کا

خود مالک ہے وہ اپنا Careerr بلٹ کر رہا ہے۔ وہ ذہین ہے، فطین ہے، وہ دانشور ہے اور وہ اپنے فیصلے خود کر سکتا ہے۔ مگر مسئلہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کس چیز میں خود فیصلے کر سکتا ہے۔ اگر انسانی پروٹوکول انسان کے حوالے کر دیا جائے، اگر اللہ تعالیٰ معاملات رزق کو انسان کے حوالے کر دے تو دیکھنا یہ ہے کہ کیا پوری انسانی یا پوری حیوانی زندگی میں ایک ہی جین کو اس نے اختیار دیا ہے کہ وہ اپنی زندگی کے لیے خود رزق کمائے یا اپنی زندگی خود گزارے۔ یہی اختیار ایک ارب جین جو اس دنیا میں مختلف Animals یا Human beings کے ہیں، ان میں سے کسی کو حاصل نہیں۔ اگر ہم میں سے کوئی شخص یہ ذمہ داری اٹھا لے کہ میں چیونٹیوں کا رب ہوں یا میں مچھلیوں کا رب ہوں یا میں کسی اور جین کا رب ہوں تو پھر کم از کم اللہ تعالیٰ یہ کہنے کے قابل نہیں رہے گا کہ **الحمد للّٰہ رب العالمین** O مگر مسئلہ یہ ہے کہ پروٹوکول، رزق اور حفاظت کی حد تک اگر تھوڑا سا آگے یا آپ پیچھے بڑھ کے دیکھیں تو زمین کی Creation ہی اللہ تعالیٰ کی Relevance کے بغیر ممکن نہیں ہے کہ سورج اگر ایک لاکھ میل پیچھے چلا جائے تو ہم فریز ہو جائیں سورج ایک لاکھ میل آگے ہو جائے تو ہم سب Burn Out ہو جائیں اور پھر Laws of existence زمین پہ Create کیسے ہو۔ ذرا سا اوپر جا کے خلاء میں معدوم ہو جاتے ہیں۔ بظاہر یہ لگتا ہے یہ دنیا واحد ایک ایسا ایریا ہے جو پوری Galaxy میں Multiple ہے، Imposible ہے۔ اور بڑے سے بڑے سائنسدان بھی یہ کہیں گے ابھی تک تو ریسرچ یہی کہتی ہے کہ اس قسم کی حیات یا اس قسم کا پیٹرن آف لائف کسی اور سیارے پر ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا یہ سوچنا پڑتا ہے کہ Irrelevant God نے یہ پوری کائنات تخلیق کرتے ہوئے ایک چھوٹا سا کیمپ، ایک چھوٹی سی جگہ، ایک مخلوق کی رہائش، آسائش اور زندگی کے لیے جو خاص طور پر تخلیق کی ہے اس کے مقاصد کیا ہیں۔ جیسے میں نے آپ سے عرض کیا کہ خدا اذیت پسند ہے اور نہ وہ یہ چاہ رہا تھا کہ انسان کو دنیا میں تکلیف کے لیے لائے Its not a Christian philosophy کہ جس میں انسان Basic Sinner ہے اور Sin کے لیے زمین پہ آیا ہے تا آنکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے قربانی دے کر انسانوں کا خون دھویا ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا قول ہی بڑا Different سا ہے۔ اگر آپ خدا کے حق میں دلیل دے رہے ہیں تو میں کہتا ہوں کہ خدا کو ماننا انسان کی مجبوری نہیں ہے۔ خدا کے ہاں ایسا نہیں ہے۔ خدا یہ کہتا ہے کہ ایمان تمہاری مجبوری نہیں ہے۔ خدا قرآن حکیم میں کہتا ہے کہ ''اگر میں چاہتا تو تمام بنی نوع انسان ایک ہی ایمان کے مالک ہوتے'' خدا یہ کہتا ہے کہ میں نے دوسرے جانوروں پہ جو تمہیں عقل و معرفت کا شرف بخشا ہے اس کا واحد مقصد یہ تھا کہ کسی ایک لیول پہ تمہیں لبرٹی حاصل ہو۔ مختصر سی آیت ہے مگر بڑی جامع ہے کہ (**ان ھدینٰہ السبیل**) (الدہر: آیت ۳) میں نے تمہیں ہدایت، عقل، شرف اس لیے بخشی ہے ''**اما شاکرا و اما کفورا**'' (الدہر: آیت ۳) چاہو تم مجھے مانو، چاہے انکار کرو۔ اس میں اللہ تعالیٰ انسان کو مجبور قرار نہیں دیتا۔ بلکہ اگر Practically دیکھا جائے تو پانچ ارب بلکہ ساڑھے پانچ ارب لوگوں کا خدا سے ہٹ جانا یہ ظاہر کرتا ہے کہ لوگ اپنی مجبوری سے نہیں بلکہ اپنی آزادی سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

کامیاب معاشرتی زندگی کا راز

سوال: ایک انسانی معاشرہ کن عوامل کے سبب ترقی کرتا ہے؟

جواب: خاتون محترم بات یہ ہے کہ جب امیر علی ٹھگ کو پھانسی پہ چڑھانے لگے تو By the time اُس نے کئی قتل کئے ہوئے تھے۔ تو جب اس سے کسی نے پوچھا کہ تجھے کوئی غم و غصہ اور کوئی تاسف نہیں ہے تو اس نے کہا بالکل نہیں ہے۔ اس نے کہا کیوں، اس نے کہا میرے والد نے مجھے کہا تھا کہ ہر آدمی اللہ کے کسی اسم کے سایے میں پیدا ہوتا ہے اور ہم لوگ اسم قہار کے سایے میں پیدا ہوئے تھے۔ بات یہ کہ اگر آپ تھوڑا سا Analysis کریں تو تاریخ عالم میں آپ دیکھیں گے کہ ظالمانہ جبر والے معاشرے جلد ختم ہو جاتے ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ انسانی معاشرہ جبر سے مصالحت کے ساتھ آگے نہیں بڑھا۔ بلکہ انصاف اور اخلاق کے اصولوں سے آگے بڑھا ہے۔ یہ پوری انسانی تاریخ بتاتی ہے کہ حیوانی جبلتوں کی تسخیر کے بعد انسان نے جبلی عقل و معرفت میں ترقی کی ہے۔ اس وقت اس نے ان اصولوں کو اپنایا ہے جن کو ہم Constructive laws of Society کہتے ہیں۔ یہ کوئی شک نہیں ہے کہ تاریخ میں بار بار ایسے ادوار ضرور آتے ہیں کہ جب وہ لوگ جو اچھی عقل والے تھے یا جنہوں نے معاشرے کو اچھی تخلیق دے دی تھی، وہ کمزور پڑ گئے، معاشرہ کمزور پڑ گیا۔ ان کی کرپشن اتنی بڑھ گئی کہ کسی ظالم و جابر کو ضرور ان پر مسلط کر دیا گیا۔ مگر آج تک جو Cave Man سے Sky Scraper تک کا زمانہ آیا ہے۔ اس میں زیادہ تر زمانہ مذہبی عروج کا ہے اور مذہب اسلام بارہ سو سال تک عروج پہ رہا۔ تین ساڑھے تین سو سال عیسائیت عروج پہ رہی۔ اس سے پہلے بھی جن سوسائٹیوں نے عروج پایا ہے۔ ان میں ہم کوئی اعتماد دیکھتے ہیں۔ Super Natural کوئی نہ کوئی اچھی چیز دیکھتے ہیں، عقل دیکھتے ہیں، معرفت دیکھتے ہیں۔ آپ تین ہزار سال پہلے سے Socrates اور افلاطون کو جانتے ہیں۔ آج کی بات نہیں ہے اور زمانے کی ترقی اور تمدن ہمیں یہ بتاتی ہے کہ ظالم اور مظلوم کی وجہ سے نہیں بلکہ عدل و انصاف کی وجہ سے معاشرہ آگے بڑھا۔

اللہ کے دوست کی توہین

سوال: کیا اللہ کے حضور کامیاب و کامران ہونے کے لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا اقرار اور انؐ سے محبت کرنا لازمی ہے۔

جواب: خواتین و حضرات! پروردگار عالم نے ایک بڑی خوبصورت آیت میں جو ہم سب لوگوں کے لیے بڑی خوشخبری کا باعث ہے بلکہ جب یہ آیت پہلی مرتبہ آئی تو اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل بڑے کشادہ ہوئے۔ وہ آیت یہ ہے۔ "قل یاعبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لاتقنطوا من رحمة الله" (الزمر: آیت ۵۳) اے پیغمبر ان لوگوں سے کہہ دے جنہوں نے اپنی ذات پہ بڑے اسراف کئے، جنہوں نے اپنی صلاحیتوں کو بے جا خرچا، یہ یاد رکھیں، خدا گناہ کو ایک اچھی صلاحیت کے بے جا خرچنے سے تعبیر کرتا ہے، اسراف کہتا ہے۔ یہ یاد رکھیے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے جو کلمۂ توبہ لکھایا ہے اس میں اسراف کا ذکر ہے اور خسارے کا ذکر ہے۔ ظاہر ہے جو صلاحیتیں اللہ نے ہمیں اپنے لیے دی ہیں اگر (مسرفانہ) خرچیں گے تو ہمیں ضرور خسارہ ہوگا اللہ نے پہلی دعا جو آدم کو دی۔ "ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفر لنا و ترحمنا لنکونن من الخسرین" (الاعراف: آیت ۲۳) اس لیے کے "ان یغفر الذنوب جمیعاً انهٗ هو الغفور الرحیم" (الزمر: آیت ۵۳) یہ Totality کا قانون ہے کہ بیشک تمہارا اللہ

تمام گناہ معاف کرتا ہے ''ان یغفر الذنوب جمیعاً انہٗ ھو الغفور الرحیم'' (الزمر: آیت ۵۳) اب جن لوگوں کا آپ ذکر کرتے ہیں اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص بڑا مخیر ہے، بڑا نیک ہے، پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہے اور دس بیس سال سے اس کا طریقہ زندگی یہی ہے مگر دس بیس سال بعد اچانک پتا چلتا ہے کہ یہ ہیروئن فروش ہے۔ اس کی یہ کوالٹی اس کی بیس سالہ کارکردگی تہ وبالا کرنے کو کافی ہے۔

And Secondly in a flash, all these accomplishments will be lost.

اس طرح وہ لوگ جو صبح وشام نیکیاں کرتے ہیں، خیر کا کام کرتے ہیں یا اچھی صلاحیتوں کے مالک ہیں یا انہوں نے بڑی سائنٹفک اصلاحات دی ہیں جیسے مادام ٹریسا (Madam Terresa) تو خدا کہتا ہے کہ جن لوگوں نے سارے اچھے کام جس مقصد کے لیے کیے ہیں میں نے صلہ لوٹا دیا۔ میں نے ان کو شہرت دی، عزت دی، محبت دی، لوگوں کا خلوص دیا، ہر جگہ استقبالیے دیے، بینرز لگے مگر چونکہ انہوں نے میری ذات کے ساتھ ظلم کیا ہے، نا انصافی کی ہے اور نا انصافی یہ ہے کہ اللہ کا دین جو آدمؑ سے شروع ہوا جبلی طور پر انسان کی تربیت کرتا کرتا بالآخر موسیٰؑ اور عیسیٰؑ تک آیا، عیسیٰؑ بھی آ گئے موسیٰؑ بھی آ گئے تو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک بات پہنچی یعنی دوستی کے رشتے اللہ کے اس Major دوست تک آئے جس سے پہلے قرآن اس کی وجہ سے جاری تھا۔ پہلے قرآن اسی کی وجہ سے جزوی طور پر اتر رہا تھا۔ جب وہ تشریف لے آئے تو اللہ نے کہا (آیت) "الیوم اکملت لکم دینکم" یہ نہیں کہا کہ نیا دین دیا ہے بلکہ آدمؑ سے لے کر تمام پیغمبروں...... کے رستے سے گزرتا ہوا جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک آیا تو یا ایسے ہے جیسے Academy of religion میں کسی طالب علم نے Basic class پانچویں میں داخلہ لیا تھا وہ اب Ph.D. تک آ گیا ہے۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی (المائدۃ: آیت۳) کہ آج نہ صرف میں نے Message اور دین پورا کیا بلکہ اپنی نعمت تمام کر دی۔ اگر آدمؑ میں، میں نے نعمت رکھی اور موسیٰؑ میں تمہارے لیے رحمت رکھی، یحییٰؑ میں رکھی تو آج تمام رحمت عالم سمٹ کے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آ گئی۔ جہاں میں نے نعمت تمام کر دی ہے وہاں Message بھی تمام کر دیا۔ اس لیے کہ انسان بلوغت فکر کے اس مرحلے میں آ گیا تھا کہ اب Message پورا پورا قبول کر سکتا تھا۔ قوم (امریت) یکطرفہ قوم تھی ان کے ہاں تمام کی تمام ٹیچنگ حضرت عیسیٰؑ کی ہے اندرونی ہے۔ وہ قوانین جو آج Impracticable ہیں۔ وہ قوانین کہ جس نے ہمسائے کی بیوی پہ بری نگاہ ڈالی اس نے گویا زنا کا ارتکاب کیا۔ جس نے اپنے بھائی کے خلاف یہ سوچا اس نے گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کیا۔ اگر آپ ان قوانین جس نے آپ کے منہ پر ایک تھپڑ مارا آپ اسے دوسرا گال آفر کریں، یہ تمام چیزیں اندرونی شریعت کی تھیں۔ جب تک آپ بہت گہرے اخلاص میں نہ جائیں یہ Religion کا Totallity نہیں ہے۔ یہ چند ایک لوگوں کا Religion ہے جو خدا کی طرف اتنی شوقِ عبادت سے بڑھے کہ ہر بات کو اپنے اوپر قبول کریں اور اپنے جبر اور سختی سے اس موقف کی تائید کریں جو حضرت عیسیٰؑ نے دیا تھا۔ اس سے پہلے حضرت موسیٰؑ کا تمام مذہب پریکٹیکل مذہب تھا۔ اسی لیے وہ بالکل ایسا ہی تھا جیسے آج ہمارے Dogmatic مولوی کا مسئلہ ہے کہ اس کو پریکٹیکل Religion کے بعد اور کوئی بات آگے نظر نہیں آتی۔ خواتین وحضرات! میں ایک سوال آپ سے بھی پوچھ سکتا ہوں کہ کسی اکیڈمی اور کسی سکول آف تھاٹ میں انٹری کے وقت اور اس سے نکلتے

وقت کوئی پراگرس ریکارڈ تو ہوتا ہے اگر میں ایک کالج میں گیارہویں میں داخل ہوا اور ایم۔اے کر کے نکلا ہوں تو کم از کم میں اپنے آپ کو کہہ تو سکتا ہوں کہ میں نے علم میں کچھ اضافہ کیا ترقی کا یہ کون سا مذہب ہے۔اسلام آپ لیے پھرتے ہو کہ اس میں آپ چھٹی ساتویں جماعت میں نماز اور روزہ سے ابتدا کرتے ہو اور نماز، روزہ پڑھتے پڑھتے گزر جاتے ہو اور کچھ نصیب نہیں ہوتا ۔ یہ کیسا مذہب بن گیا ہے کہ جس میں فکری، ذہنی جلا کی ایک رمق باقی نہیں رہتی اور جوں جوں لوگ اس میں آگے ترقی کرتے ہیں تو لگتا یہ ہے کہ مذہب تمام کسی مابعدالطبیعاتی تاثر سے خالی ہے۔آپ یقین کرو کہ میں اس حدیث کے مصداق ایک شخص کو ڈھونڈنے کی کوشش کرتا رہا کہ ''فراستِ مومن سے ڈرو وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے'' یہ کہاں سے ملیں گے لوگ۔اگر مذہب میں نہیں ملیں گے تو پھر فراستِ مومن والے لوگ کہاں سے ملیں گے جو اللہ کے نور سے دیکھتے ہیں ۔ یہ مذہب کی ایک Category تو ہے۔صرف دو مثالیں میں آپ کو بتا رہا ہوں ۔ یہ صحیحین کی حدیث ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ نے فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ جب میں نماز پڑھتا ہوں تو مجھے لگتا ہے ملائکہ مجھے جنت کا در کھول کر دکھاتے ہیں فرمایا معاذ یہ اخلاص ہے۔حضرت عسیر بن عزیزؓ نے فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب میں قرآن پڑھ رہا تھا تو بادل جھک گئے ان میں ٹمٹماتی ہوئی روشنیاں تھیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر تم تلاوت جاری رکھتے تو یہ ملائکہ تھے جو تیری تلاوت سن کے جھک آئے تھے اور بادلوں سے نکل کے تجھ سے مصافحہ کرتے ۔ یہ عجیب و غریب باتیں لگتی ہیں ۔ Academic ally یہ باتیں اس دور میں جب کہ آپ اتنے Objective، سائنٹفک طرزِ عمل کے مالک ہیں ۔ بڑی عجیب باتیں لگتی ہیں ۔مگر آپ ان ساری عجیب باتوں کو سمیٹ لیں تو بات پھر اس بنیادی Question پہ آ کے رک جاتی ہے کہ آپ اللہ کو مانتے ہو کہ نہیں مانتے ہو۔آپ اللہ کو جانتے ہو کہ نہیں جانتے ہو۔کچھ سسٹم ہی ایسے ہیں جو صرف اللہ ہی سے تشخیص پاتے ہیں ۔ابھی اس بنیاد پہ دیکھا جائے کہ خداوند کریم ان لوگوں کو کیا صلہ دے گا کہ جو ابتداء کو تسلیم کرتے ہیں مگر انتہا کو نہیں مانتے ۔ جب وہ چھوٹے چھوٹے دوستوں کو مانتے چلے آئے مگر اللہ کے بہترین دوست کو ماننے سے انکار کر دیا ۔ادھر اللہ کہتا ہے، اس بہترین دوست کا انکار جس کے لیے ساری کائنات میں نے بنائی اگر وہ **الحمد اللہ رب العالمین** ہے تو یہ خطاب کسی اور پیغمبر کو تو نہیں ملا، ''**وما ارسلنک الا رحمة للعالمین**'' (الانبیاء: آیت ۱۰۷) کیونکہ جہاں جہاں خدا کی ربوبیت کی حدود ہیں وہاں وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت کی حدود ہیں اور یہ یاد رکھیے ایک مخلوق کے لیے نہیں ہے بلکہ خداوند کریم نے یہ فرمایا تمام مخلوقات ارض و سماوی کو پیدا کرنے سے پہلے میں نے ایک چیز کو معاہدے کے طور پر کتاب میں لکھ دیا۔ ''**کتب علی نفسه الرحمة**'' (الانعام: آیت ۱۲) کہ میں ان پہ ہر حال میں رحم کروں گا ۔رحم کرتے کرتے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ انتہائے رحمت فرما دی ۔اب اگر کوئی شخص کتنا ہی نیک ہو، کتنا کریم النفس ہو، کتنا ہی خلیق ہو مہربان ہو، انسان دوست ہو، بندہ پرور ہو لیکن جب اللہ کے سب سے بڑے دوست کی توہین کرے گا تو اس کا کیا مقام ہو گا۔پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی شخص نہیں مانتا اور کیوں نہیں مانتا؟ وہ کیوں نہیں تسلیم کرتا Lets go back to the reason ۔آج تک کسی غیر مذہب کے لیے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ ماننے کی کوئی Reason نہیں ہے ۔میں اس کی وجہ آپ کو بتاتا ہوں تھامس کارلائل کتاب

Heroes And Heroes Worship.

مرتب کرتا ہے۔اس نے اپنے پیغمبر کو بطور ہیرو کیوں نہ رکھ لیا۔ پر سوال یہ ہے کہ وہ مسلمان تو نہیں ہے مگر پھر بھی مانتا ہے۔مزے کی بات یہ ہے کہ Heroes and Heroes Worship میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو Prophet as a hero مانتا ہے کہ اگر دنیا میں کوئی سب سے بڑا موثر اور انقلاب انگیز پیغمبر گزرا ہے تو وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں مگر پھر بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں مانتا۔ یقیناً اس کا نہ ماننا طلوع مہر کو چمگادڑوں کے نہ ماننے جیسا ہے۔اگر سورج کو دیکھ کر آپ الٹا لٹک جائیں تو ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔خدا کوان سے کیا پڑی ہے۔خدا کا تو سارا فسانہ دنیا ہی فسانہ محبت و دوستی ہے۔اس کو تو اور کسی بات کا پتا ہی نہیں وہ تو اپنے دوستوں کے لیے اس حد تک چلا جاتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ یا رسول للہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چلو ابراہیم تو اللہ کے دوست تھے، محبت والے تھے مگر یہ صفا و مروہ کیوں ہے۔کیا اب ہم خاتون ابراہیم کا بھی طواف کریں گے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے یہی سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا، ایک دم اللہ کے رسول غیرت میں آ گئے۔فرمایا ''ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ'' (البقرۃ:۲-۱۵۸) کہ خبردار ابراہیم سے منسلک یہ چیز شعائر اللہ ہے، وہ میرا دوست ہے، وہ میری محبت ہے، وہ میرا خلیل ہے، وہ ایک ایسا انسان ہے جس نے میری دی ہوئی نعمت کا سب سے بہترین فائدہ اٹھایا ہے۔ اس نے مجھے عقل و شعور سے پہچانا ہے۔اس سے بڑا میرا کوئی دوست نہیں ہے اور اس کی بیوی بھی مجھے اتنی ہی عزیز ہے جتنا وہ عزیز ہے۔اس کا بیٹا بھی مجھے اس طرح ہی عزیز ہے، اس کی دعا مجھے عزیز ہے (آیت)'' کہا کہ اس کی دعا بھی مجھے عزیز ہے' اور اس کی دعا کی وجہ سے میں نے رحمت عالم کو اس کے خاندان میں رکھ دیا ہے محمد رسول للہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو، یہ تو فسانہ دوستی ہے آپ خود سوچیں حجر اسود کو کیوں چومتے ہیں، کیوں چومیں پتھر کو، عمر نے ٹھیک کہا تھا اس کی حیثیت ہی کیا ہے۔ہم کیوں اسے چومیں۔جنت سے آیا ہوگا تو دیکھا جائے گا مگر حقیقت یہ نہیں ہے کہ ہم پتھر نہیں چومتے ہم تو لمس دست ابراہیم چومتے ہیں، ہم تو اسماعیل کے ہاتھوں کو چومتے ہیں، ہم تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک کے لمس کو چومتے ہیں جو اس پتھر کو لگے ہوئے ہیں،

Feeling is a better science-i tell you,

اور Emotion کی سائنس ڈویلپ نہیں ہوتی ہے سائنسدان اور Mystic میں ایک فرق ہوتا ہے سائنسی تجربات میں سائنٹسٹ کی Feeling کا کوئی حصہ نہیں، وہ چاہے ناراض ہے، بیمار ہے، اداس ہے، جس عالم میں بھی ہے کیمیکلز نے وہی ری ایکشن کرنا ہے جو اس کے نصیب میں لکھے ہوئے ہیں مگر صوفی کی ایک ایک معمولی سی Feeling اس کے تجربے کو غلط کر دیتی ہے۔

He is a better scientist

اس کو یہ پتا ہے میرا ایک Emotion، میری ایک Feeling، میرے تجربے ہیں اور سب سے قیمتی تجربات حیات کو خراب کر دیتے ہیں۔ میں جس حیثیت اور جس حقیقت کو جاننے چلا ہوں وہ سائنسز کی غائیت اولیٰ ہے۔ چاہے سائنس اسے پہچانے نہ پہچانے۔جس سائنس کا مقصد ہی کوئی نہیں ہے، جس سائنس کا مقصد فضائے بسیط میں ٹامک ٹوئیاں مارنا ہے کیا آپ سمجھتے ہو کہ science is going to the right way۔اب ذرا غور کیجیے میں آپ کو چھوٹا

سا فرق بتاتا ہوں یہ کتاب وہ کتاب ہے کہ سلیمانؑ کے دربار میں ایک جن کہتا ہے، اے سلیمان اگر تو مجھے حکم دے تو میں تخت سبا ایک پہر تک تیرے دربار میں پہنچا دوں تو قرآن کہتا ہے اس ایک شخص کو اللہ نے کتاب کا علم دیا تھا وہ ایک شخص آصف بن برخیا؟ وہ ایک شخص جسے اللہ نے ایک کتاب کا علم دیا تھا وہ کہتا ہے پیغمبر مجھے اجازت دے میں آنکھ جھپکنے سے کم وقت میں تخت سبا ادھر لے آؤں۔ خواتین و حضرات ڈیڑھ سو سال پہلے قریباً جب دونوں قوانین آئن سٹائن نے دے دیئے۔

Matter can be converted into energy and vice versa was also true.

آج تک توانائی Matter میں کنورٹ نہیں ہوئی، آج تک چھوٹے موٹے تجربات ہوتے رہے کافی عرصہ گزر گیا اور

Energy and matter convert easily

تو یہ جو آپ سٹار ٹریک میں دیکھتے ہیں، آدمی آیا شعاع ڈالی دوسری طرف چلا گیا، زمین سے ستارے تک منتقل ہو گیا مگر آپ کو پتا ہے کہ کتاب کے علم سے ایک شخص نے بہت پہلے یہ کرشمہ سرانجام دے دیا تو آپ کا خیال یہ ہے کہ دنیا اتنی آگے جانے کے لیے ہے۔ اس زمین میں جسے اللہ نے "مستقر و متاع الی حین" (البقرۃ: آیت ۳۶) چھوٹا سا کیمپ، چھوٹی سی دنیا کہا ہے، اس چھوٹی سی دنیا میں آپ جن Achievements کے خواب دیکھ رہے ہو، آگے بڑھنے کے خواب دیکھ رہے ہو ابھی تو آپ نے کائنات کی دہلیز پر قدم نہیں رکھا آپ کو کتنی عمر چاہیے Galaxies کو دیکھ لیں جہاں کروڑوں اور ملین ایئرز کے فاصلے مختصر ہو جاتے ہیں اور اپنی زندگی کی کوئی Average متعین ہے۔ اس کو اللہ نے کہا "قل متاع الدنیا قلیل" (النساء: آیت ۷۷) انتہائی مختصر یہ اتنی قلیل ہے کہ حیات انسانی کا کوئی تناسب حیات کائنات کے ساتھ نہیں بنتا۔ کیا آپ کو اب بھی توقع ہے۔ میں نے کہا نا انسان Narcissist ہے۔ اپنے وجود کی لذت میں ڈوبا ہوا، اپنے آپ کو کائنات میں یکتا اور خدا کا محبوب سمجھتا ہے اور یہ تصور کرتا ہے کہ وہ سب کچھ تسخیر کرے گا۔ شاید اس چھوٹے سے کیمپ سمیت وہ یہ کام اپنے سائنٹفک علوم سے نہیں بلکہ خدا کے کرم سے اس زندگی کے بعد سرانجام دے سکتا ہے۔ کیونکہ اس کا یہ وجود Perishable ہے۔ اس میں صرف ایک ہلکی سی Permanent Silicon chip ہے جس کو آپ روح کہتے ہیں۔ وہ اتنی باریک ہے کہ حضرت آدمؑ کو تمام اولاد آدمؑ ان کی بقول حدیث ہتھیلی پر دکھائی۔ حضرت آدمؑ کا ہاتھ کتنا بڑا ہو گا، میرے دو ہاتھوں کے برابر ہو گا، بڑے قد کے تھے چلو مگر وہ کتنی ارواح ہوں گی، کتنے موٹے موٹے دانے ہوں گے جو ایک ہاتھ پہ دکھا دیئے گئے، اتنی باریک Specialized processed chip. ہے یہ روح کہ اس کو نکالتے ہوئے بھی بندے کو بہت تکلیف ہوتی ہے، ملائکہ بڑا لمبا آپریشن کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ تمام چیزیں اور اس کا انفراسٹرکچر اور اس کا لوئر سٹرکچر بھی Destructable ہے۔ انسان ازلی نہیں ہے لیکن ابدی ضرور ہے، اب جہنم اور جنت کے دونوں مظاہر کے لیے وہ لمبی تیاری کر رہا ہے، وہ تسخیر عالم کے لیے نہیں آیا بلکہ صرف ایک سوال کا جواب دینے کے لیے آیا ہے۔ "انا ھدیناہ السبیل اما شاکرا و اما کفورا" (الدھر: آیت ۳) دنیا سے گزر جائیں گے اور قبر کے دھانے پہنچیں گے

Its an Airport to the galaxy.

قبر کوئی چھوٹی سی جگہ تو نہیں ہے ادھر Galaxies ہیں جو Heaven کو جاتی ہیں ادھر Galaxies ہیں جو Hell کو جاتی ہیں۔ پاسپورٹ، آپ کے ہاتھ میں ہے "من ربک" کس کو پوجتے چلے آئے ہو، مادام ثریا تو جواب نہیں دے سکتیں۔ Impossible۔ بھئی کس کی سنیں۔ کوئی کہتا ہے میں نے اللہ کو مانا، اچھا اللہ کو مانا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ مانا، تم خدا کے ساتھ بھی پارٹی بازی کرتے آئے ہو، مجھے بھی الجھار ہے ہو پارٹی بازی میں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مانا اور عیسیٰ کو نہ مانا، عیسیٰ کو مانا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ مانا، آپ کو یاد ہے، یہودی کہا کرتے تھے کہ ہمارا پیام بر تو میکائیل ہے، جبرائیل تو ہمارا دشمن فرشتہ ہے۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ ایک یہودی کے قریب سے گزرے تو انہوں نے یہودی سے کہا او بد بخت، اللہ کے ایک فرشتے کو دوست بناتا ہے اور دوسرے کو دشمن بناتا ہے۔ یہ تو سب اللہ کی مخلوق ہیں اور سب ہمارے لیے ہیں۔ وہی حساب یہ ہے کہ جو یہود کہتے تھے۔ وہی اب بعد میں آنے والا کوئی کہے گا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے نہیں ہیں، عیسیٰ میرے ہیں۔ میں آپ کو ایک چھوٹا سا واقعہ سناؤں۔ I met a lady جس کو بارہ سال سے نیند نہیں آرہی تھی۔ اس کا نام جوائیس تھا۔ اس نے مجھے کہا Can you help me میں نے کہا Yes I will do اس نے کہا How to do it میں نے کہا ایک شرط ہے۔ کہنے لگی کیا میں نے کہا

Whould you believe in my prophet to be a prophet.

میں نے کہا اپنے اوپر ایک احسان کرو جب میں تمہارا پیغمبر مانتا ہوں تو کم از کم تم اخلاقاً ہی میرا پیغمبر بھی مان لو۔ اس نے کہا نہیں نہیں میں تو سمجھتی ہوں

He was a prophet. After all these are two great religions.

کرسچیز ہیں۔ مسلمز ہیں تو کوئی حرج نہیں۔ I don,t mind میں نے کہا

If you dont mind تو میں ایک تسبیح دے دیتا ہوں تو آپ یقین کرو پندرہ دن کے بعد اس نے کہا Professor look I am sleeping یعنی آپ دیکھیں میں خود بڑا حیران ہوا کہ وہ ذرا سی معمولی سی شناخت کے لیے بارہ سال سے جاگتی رہی۔ کیا شعر ہے کہ

لگتی نہیں پلک سے پلک جو تمام شب
کہ شعبدہ ہے اس نگہ نیم باز کا

میں تو کہتا ہوں کہ ہم پر یہ دور حاضر کی تاریخ نازل ہو رہی ہے، جس میں یہ سوال بار بار اٹھتا ہے کہ وہ بڑے نیک لوگ ہیں۔ یہ بڑے اچھے کام کرنے والے ہیں۔ میرے نزدیک وہ لوگ توہین خداوند کے مرتکب ہوتے ہیں جو اللہ کے ایک پیغمبر کو مانتے ہیں اور ایک کو نہیں مانتے۔

عقیدے اور عمل کا ربط

سوال: اسلام عقیدہ اور اعمال کا نام ہے صرف عقیدہ کا نہیں آپ کی یہ بات کہ انسان اعمال نہ کرے اور مرتے وقت توبہ کرے تو یہ سراسر اسلام کے خلاف ہے اقبال بھی اس کے خلاف تھے؟

جواب: جی ہاں محترم آپ نے خوبصورت سوال کیا ہے مگر میرا خیال یہ ہے کہ اسلام میں جب بندہ داخل ہوتا ہے تو اس کا آغاز ہی نماز سے ہوتا ہے، روزے سے ہوتا ہے، پانچ ابتدائی کلمات سے ہوتا ہے۔ اس سے تو بہتر تھا آپ مجھ سے یہی پوچھ لیتے کہ آپ نماز پڑھتے ہو کہ نہیں پڑھتے مگر میں آپ کو بتاؤں میں نماز نہیں پڑھتا تھا مگر جب سے جستجو خداوند میں پڑا ہوں نماز کوئی قضا بھی نہیں ہوتی اور روزے رکھنے میں تو میں ویسے بھی متقی تھا یعنی جائز ہونے سے پہلے سے رکھتا چلا آیا ہوں۔

خواتین و حضرات! یہ بڑا ناقص نتیجہ ہے۔ میں جب بار بار آپ سے کہہ رہا ہوں کہ تصوف مذہب کی اکیڈمی کی آخری کلاس ہے۔ مذہب جو نماز اور روزہ سے شروع ہوتا ہے تو میں آپ سے سوال یہ پوچھ رہا تھا کہ وہ نماز اور روزہ آگے بڑھتے ہوئے مسلمان کو نماز اور روزہ سے زیادہ کیوں کچھ نہیں دیتا۔ میں کہہ رہا تھا کہ دنیا کے ہر علم میں ترقی ہے۔ ہر درسگاہ سے بلوغت ذہن والے لوگ نکلتے ہیں۔ آپ کے اسلام سے اب کوئی عبدالقادر جیلانی نہیں نکلتا، کوئی علی بن عثمان کیوں نہیں نکلتا، کیا Crisis ختم ہو گیا؟ کیا الہام ختم ہو گئے؟ کیا قوم مسلم دنیا کی انتہا درجہ کی بلندیوں کو چھو رہی ہے کہ اب خدا کے کسی بندے کی ضرورت نہیں ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے Dogmatic Academics نے باطنی ضرورتوں پر توجہ نہیں دی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کہا نہیں کہ ظاہری گناہوں کے ساتھ ساتھ باطنی گناہوں سے بھی بچو۔ ہمارے علماء ظاہر نے کبھی باطنی گناہوں کی لسٹ بنائی ہے کہ یہ کون سے ہیں۔ کیا آپ نے کبھی غور کیا ہے کہ نماز اور روزہ کے علاوہ انسان منافق بھی ہو سکتا ہے۔ تصوف میں اور Academics کے علماء میں صرف ایک فرق ہے۔ علماء ظاہر، قول و فعل کے تضاد پر زور دیتے ہیں لیکن آج کل تو وہ بھی بات نہیں رہی ہے۔

اگر کوئی بہت نیک عالم ظاہر ہو گا تو وہ ہمارے قول و فعل کے تضاد کو ختم کرنے پر زور دے گا، وہ کہے گا، جو کہو وہ کرو (آیت) "لما تقولون مالا تفعلونO" (الصف: آیت۲) قرآن کہتا ہے کہ وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو مگر ایک شخص ہر منزل مذہب کے دائرہ پیٹرن سے گزرنے کے باوجود بدترین منافق ہو سکتا ہے۔ کیا مدینہ میں منافق نہیں تھے؟ کیا مسلمانوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے تھے؟ کیا جہاد کے لیے مسلمانوں کے ساتھ نہیں نکلتے تھے؟ اور رستے میں سے نہیں پلٹ آتے تھے؟ کیا قرآن نہیں کہتا صبح مذہب میں داخل ہوتے ہیں اور شام کو چھوڑ جاتے ہیں۔ آپ کے پاس کوئی ایسا طریقہ کار نہیں کہ Dogmatic Religion میں منافق اور مخلص کو علیحدہ کر سکیں The law of mysticisim is little different اس کی بنیاد کو شرع کہتے ہیں حضرات گرامی آپ کہتے ہو نا "میں" یہ میں ہوں کون آپ کو یہ سوچنا پڑے گا میں ہوں کون۔ مجھے ایک شخص نے کہا علم الاسماء کا کوئی اور استاد ہے تو میں نے کہا جب سے میں نے قرآن کے ان علوم پر تحقیق کی ہے صرف آٹھ سو سال پہلے شیخ محی الدین ابن عربی کا سا تھا۔ تمام تکبرات تجاہل اور حماقت کا حصہ ہیں سوائے اس کے جسے ایک استاد اپنے شاگرد کو دیتا ہے۔ ایک استاد کو صرف یہ حق حاصل ہے کہ وہ شاگرد کو کہہ سکے کہ تو غلط ہے اور میں صحیح ہوں۔ علاوہ ازیں ہر قسم کا تکبر اور بڑائی ناروا ہے مگر جب ایک سفر سے آپ گزرے ہوں گے تو میں آپ کی مثال دوں گا جب کوئی دوسرا گزرا ہو گا تو میں اس کی مثال دوں گا یا جب میں پرانے لوگوں کی مثال دیتا ہوں تو میں اس لیے دیتا ہوں کہ مجھے ان لوگوں کے رستوں کا علم ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر میں تصوف میں شیخ سیدنا حجت الاسلام

محمد بن احمد الغزالی کو جانتا ہوں تو میں نے ان کا یہ قول پڑھا ہوگا کہ آخری چیز جو سینہ انسان سے نکلتی ہے وہ حب جاہ ہے، جاہ طلبی ہے، تعزز ہے اور جو شخص اس راہ سے گزرتا ہے اس کو اس بات کا اچھی طرح پتا ہے کہ

Acadamics are just the beginning.

I would only say لوگ ان چیزوں کی جو ابتدائے اسلام ہیں، Over stress کر رہے ہیں اور جو انتہائے اسلام ہیں، انہیں بالکل Ignore کر رہے ہیں۔ آپ نماز پڑھو۔ میں بھی پڑھتا ہوں، روزے آپ بھی رکھو میں بھی رکھتا ہوں مگر کیا یہاں مذہب ختم ہو جائے گا۔ Is that all کیا اسی وجہ سے وہ فراست مومن دیکھنے کی حسرت آپ کے سینے میں کبھی نہیں اٹھے گی پھر کیوں آپ مجذوبوں کے پاس جا رہے ہو، آپ کیوں اُن ان پڑھ لوگوں پر یقین کر رہے ہو جو دھوکے باز اور دغا باز ہیں، ان کی مطابعت کیوں کر رہے ہو۔ کیوں آپ کی غیر معمولی ذھانتیں چھوٹے چھوٹے جاہلوں کے کرشماتی تسلط میں آئی ہوئی ہیں۔ کیا آپ میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو اعلیٰ بصیرت کا حامل ہو اور خدا کی سچی طلب اور جستجو اس کے سینے میں ہو اور وہ اس زمانے کے چبھتے ہوئے بے شمار سوالوں کا جواب دینے والا ہو۔ اگر علماء میں کوئی ایسا ہوتا تو ضرور جواب ملتا اور اگر کوئی Mystic میں ہوتا تو زمانہ اسے ضرور جان پاتا۔

USMAN BOOK COLLECTION
Contact # 0345-7019792